تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

قرآنی آئین نمبر

ماہنامہ الفرقان

ربوہ

پاکستان
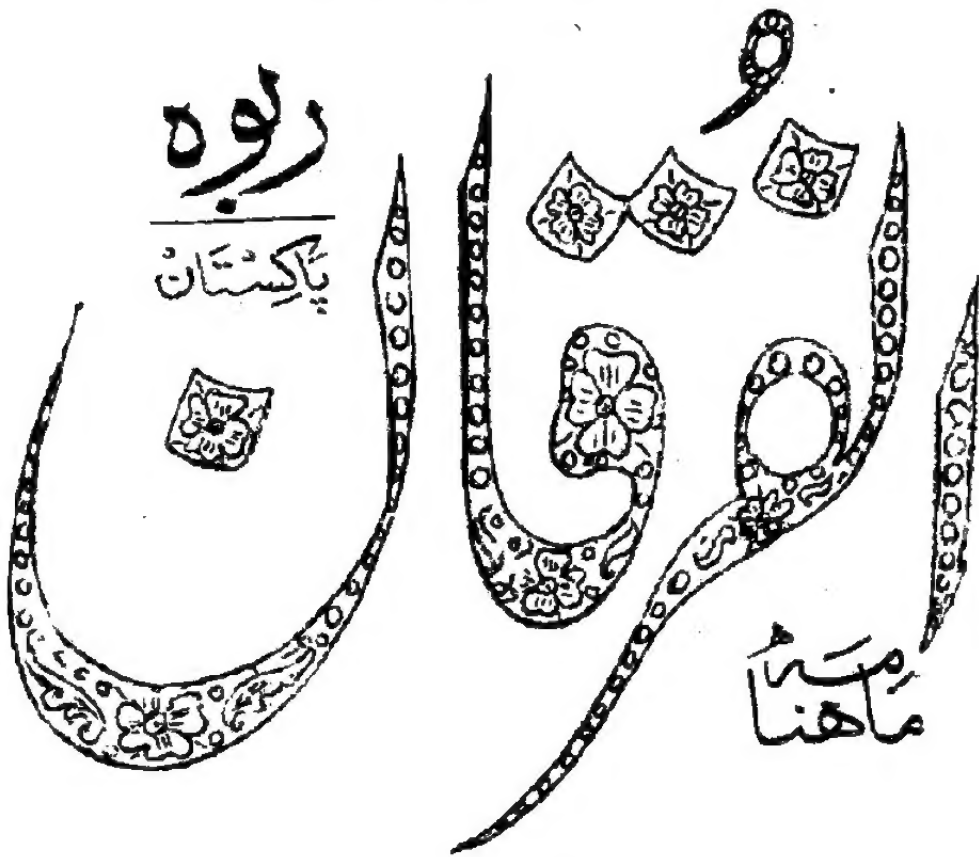
بابت

ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۵ء

ایڈیٹر:-

ابو العطاء جالندھری

معاون ایڈیٹر:-

قاضی محمد نذیر۔ مولوی فاضل

مسعود احمد دہلوی بی۔ اے

سالانہ چندہ پیشگی

پانچ روپے

قیمت فی پرچہ

آٹھ آنے

قیمت پرچہ ہذا، بارہ آنے

قرآں مظہرِ شانِ خدا ہے

کلام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ

خدا کا اس قدر ہے ہم پہ احساں — کہ جس کو دیکھ کر ہوں سخت حیراں
نہیں معلوم کیا خدمت ہوئی تھی — کہ سکھلایا کلامِ پاکِ یزداں
ہزاروں ہیں کہ ہیں محروم اس سے — نظر سے جن کی ہے وہ نور پنہاں
جسے اس نور سے حصہ نہیں ہے — نہیں زندوں میں ہے وہ جسمِ بے جاں
یہی دل کی تسلی کا ہے موجب — اسی سے ہو میسّر دیدِ جاناں
اسی میں مُردہ دل کی زندگی ہے — یہی کرتا ہے ہر مشکل کو آساں
یہ ہے دُنیا میں کرتا رہنمائی — یہ عقبیٰ میں کرے گا شاد و فرحاں
یہی ہر کامرانی کا ہے باعث — یہی کرتا ہے ہر مشکل کو آساں
ملاتا ہے یہی اس دلربا سے — یہی کرتا ہے زائل دردِ ہجراں
یہ نعمت ہم کو بے خدمت ملی ہے — سکھایا ہے ہمیں مولیٰ نے قرآں

خدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فسبحان الذی اوفی الامانی

کلام اللہ میں سب کچھ بھرا ہے — یہ سب بیماریوں کی اِک دوا ہے
یہی ہر پاک دل کی آرزو ہے — یہی ہر متقی کا مدعا ہے
یہ جامع کیوں نہ ہو سب خوبیوں کا — کہ اس کا بھیجنے والا خدا ہے
مٹا دیتا ہے سب زنگوں کو دل سے — اسی سے قلب کو ملتی جِلا ہے
یہ ہے تسکین وہ عشاقِ مضطر — مریضانِ محبت کو شفا ہے
خضر اس کے سوا کوئی نہیں ہے — یہی بھٹکے ہوؤں کا رہنما ہے
جو اس کی دید میں آتی ہے لذّت — وہ سب دُنیا کی خوشیوں سے سوا ہے
جو ہے اس سے الگ حق سے الگ ہے — جو ہے اس سے جدا حق سے جدا ہے
یہ ہے بے عیب ہر نقص و کمی سے — کرے جو حرف گیری بے حیا ہے
ہمیں حاصل ہے اس سے دیدِ جاناں — کہ قرآں مظہرِ شانِ خدا ہے

خدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فسبحان الذی اوفی الامانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۵	فہرست مضامین	نمبر ۹-۱۰

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان احمد نگر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ — نمبر ۹-۱۰
الفرقان — قرآنی آئین نمبر
صفر، ربیع الاول ۱۳۷۵ھ — ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۵ء

قرآن مجید کے متعلق بائیبل کی پیشگوئیاں!

قرآنی آئین کے کامل ہونے پر انبیاءؑ کی مہر تصدیق!!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (اعراف : ۱۵۷) کہ میری رحمت اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اس عظیم الشان اُمّی پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں جس کی پیشگوئی وہ تورات و انجیل میں پڑھتے ہیں۔ یہ پیغمبر انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، ناپسندیدہ امور سے منع کرتا ہے، پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے اور گندی اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے۔ ان کے ناروا بوجھوں اور پابندیوں کو دُور کرتا ہے۔ پس جو اس پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں، اس کی تائید و نصرت کرتے ہیں اور اس نور (قرآن مجید) کی پیروی کرتے ہیں جو اس پر نازل ہوا ہے وہ ضرور کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس قرآنی دعویٰ کی تصدیق و تحقیق کے لئے جب ہم تورات و انجیل پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان آسمانی صحیفوں میں بہت سی صاف اور واضح پیشگوئیاں ملتی ہیں جن میں قرآن مجید کی خبر دی گئی ہے۔ بلکہ انبیاءِ سابقین نے اس پاک کتاب کے **کامل آئین** ہونے کا بھی اعلان فرما دیا ہے۔ ان پیشگوئیوں میں سے صرف دس پیشگوئیاں ذکر کی جاتی ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:-

> "میں ان (بنی اسرائیل) کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔"
>
> (استثناء ۱۸ : ۱۸)

اس پیشگوئی میں ایک مثیلِ موسیٰ نبی کی پیشگوئی کی گئی ہے

کلام خداوندی یعنی شریعت دیکر بھیجا جائے گا۔ اور وہ
ساری شریعت لوگوں تک پہنچائے گا۔
اسی پیشگوئی کو ایک دوسرے انداز میں بایں الفاظ
ذکر کیا گیا ہے:۔

"خداوند سیتا سے آیا اور شعیر سے ان پہ
طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر
ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اسکے
داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت (شریعت
غراء) ان کے لئے تھی۔" (استثناء ۳۳/۲)

ان الفاظ میں صاف طور پر موعود کے مقام اور اس کی
حالت اور اس کی شریعت کا ذکر موجود ہے۔ سیدنا حضرت
محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی وہ پیغمبر ہیں جو فاران کے
پہاڑ سے جلوہ گر ہوئے اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ
آئے۔ اور پھر آپ کے پاس ایک روشن شریعت تھی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض دفعہ پادری صاحبان کہدیا کرتے
ہیں کہ مثیل موسیٰ کی اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح
ہیں مگر ان کا یہ زعم خود بائیبل سے سراسر باطل ثابت ہوتا
ہے۔ چنانچہ جناب پولوس لکھتے ہیں:۔

"وہ (خدا) اس مسیح کو جو تمہارے واسطے
مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ
وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ
وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے
اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع
سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند
خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا
ایک نبی پیدا کرے گا۔" (اعمال ۳/۲۰-۲۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے مسلّم الہامی کلام
کے رو سے حضرت مسیح مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کے مصداق
نہیں ہیں بلکہ مسیح کی آمد اوّل اور آمد ثانی کے درمیانی زمانے
میں آنے والا نبی اس پیشگوئی کا مصداق ہے اور اسی کی
پیش کردہ شریعت (قرآن مجید) وہ نورانی شریعت ہے
جس کا تورات میں ذکر ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت
میں قرآنی شریعت کو نور کہا گیا ہے۔

(۲) یسعیاہ نبی نے خداوند کا کلام سنایا کہ:۔

"عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے
ددانیوں کے قافلو! پانی لیکے پیاسے کا استقبال
کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو!
روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ
تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی
ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے
ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک
برس ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں
قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ اور
تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر
گھٹ جائیں گے۔" (یسعیاہ ۲۱/۱۳-۱۷)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا صاف ذکر
ہے اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی جنگ بدر کے لئے واضح
اشارہ ہے۔ جس میں قیدار یعنی بنو قیدار قریش (قیدار حضرت
اسمٰعیل کے ایک بیٹے کا نام ہے۔ عرب حضرت اسمٰعیل ہی کی نسل
ہیں) کی حشمت خاک میں مل گئی۔

(۳) یسعیاہ نبی کی معرفت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

"تم اگلی چیزوں کو یاد نہ کرو اور قدیم باتوں
کو سوچتے نہ رہو۔ دیکھو میں ایک نئی چیز کرونگا
اب وہ نمود ہوگی کیا تم اس پر ملاحظہ نہ کروگے۔
ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں
بناؤں گا۔ دشت کے بہائم گیدڑ اور شتر مرغ
میری تعظیم کریں گے کیونکہ میں بیابان میں پانی اور صحرا
میں ندیاں موجود کروں گا کہ وہ میرے لوگوں کے

میرے برگزیدوں کے پینے کے لئے ہوئیں۔
میں نے ان لوگوں کو اپنے لئے بنایا۔ وہ میری
ستائش کریں گے۔" (یسعیاہ $\frac{۴۳}{۱۸-۲۱}$)

(۴) پھر فرمایا:۔

"خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے
تم جو سمندر پر گذرتے ہو اور تم جو اس میں بستے
ہو۔ اے بحری ممالک اور ان کے باشندو!
تم زمین پر سر تا سر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان
اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد دیہات
اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے
ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے
للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے
اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔
خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی
مرد کی مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا۔ وہ چلائیگا
ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں
پر بہادری کرے گا۔" (یسعیاہ $\frac{۴۲}{۱۰-۱۳}$)

(۵) اسی ضمن میں خبر دی کہ:۔

"وہ کس کو دانش سکھائے گا؟ کس کو وعظ
کرکے سمجھائے گا؟ ان کو جن کا دودھ چھڑایا
گیا جو چھاتیوں سے جدا کئے گئے کیونکہ حکم پہ
حکم، حکم پہ حکم، قانون پہ قانون، قانون پہ
قانون ہوتا جاتا۔ تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔
ہاں وہ وحشی کے سے ہونٹوں اور اجنبی زبان
سے اس گروہ کے ساتھ باتیں کرے گا۔"

(یسعیاہ $\frac{۲۸}{۹-۱۱}$)

ان تینوں عبارتوں پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی کھل جاتا
ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ایک نئی شریعت، ایک نئے گیت،
اور نئے قانونوں والی کتاب کی خبر دی ہے۔ یہ نئی شریعت
عالمگیر ہے۔ تمام دنیا کے لئے ہوگی۔ سلع (مدینہ کی پہاڑی) کے
باشندے پہلے یہ گیت گائیں گے۔ اذانیں دیں گے۔ کھلے بندوں
تبلیغ کریں گے۔ جنگوں تک نوبت آئے گی۔ آخر ما موداپنے
دشمنوں پر غالب آئے گا۔ قرآن مجید کا نزول تدریجاً ہوگا۔
غیر عبرانی زبان میں ہوگا۔ اور اس کی آیات کا نزول ——
"تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں" —— مکی اور مدنی ہوگا۔
قرآن مجید کے آنے سے صحرا میں آب حیات کی ندیاں بہ پڑینگی
اور ساری دنیا میں خدا کی ستائش قائم ہو جائے گی۔

(۶) حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں
مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن
جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام
سچائی کی راہ دکھائے گا اسلئے کہ وہ اپنی
طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہیگا
اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔" (یوحنا $\frac{۱۶}{۱۲-۱۳}$)

اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا۔ الیوم
اکملت لکم دینکم (المائدہ) کہ آج اس قرآن مجید کے
ذریعہ میں نے تمہارے سامنے تمام سچائی کی راہ پیش کر دی
ہے۔

(۷) حضرت مسیحؑ نے انگوری باغ کی مشہور تمثیل کا ذکر کرتے
ہوئے پیشگوئی کی ہے کہ:۔

"جب باغ کا مالک آئے گا تو ان
باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں نے
اس سے کہا ان برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک
کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دیگا
جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوع نے ان سے
کہا۔ کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا
کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے
کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے

ہوُا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اسلئے مَیں
تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے
لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل
لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر
گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے
مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔"

(متی ۲۱: ۴۲-۴۴)

اِس پیشگوئی میں بنی اسرائیل سے آسمانی حکومت چھین کر بنی اسمٰعیل کو دیئے جانے کا ذکر ہے۔ اِس میں آنے والے نبی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کو کونے کا پتھر قرار دیا ہے۔

(۸) مکاشفہ یوحنا میں آئندہ ہونے والے واقعات کے سلسلہ میں خبر دی گئی ہے کہ :-

"جو تخت پر بیٹھا تھا مَیں نے اُس کے
دہنے ہاتھ میں **ایک کتاب** دیکھی جو
اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اُسے
سات مُہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔ پھر مَیں نے
ایک زور آور فرشتے کو بلند آواز سے منادی
کرتے دیکھا کہ کون اِس کتاب کے کھولنے اور اِس کی
مُہریں توڑنے کے لائق ہے؟" (مکاشفہ یوحنا ۵: ۱-۲)

یہ پیشگوئی بھی نہایت واضح ہے۔ اس پر نظر کرنے سے عیاں ہے کہ اس کا مصداق صرف قرآن کریم ہے۔ اور سات مُہریں سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں جو اُمّ الکتاب کی حیثیت رکھتی ہے جس میں قرآن مجید کے سارے مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ پھر قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں فرشتوں نے منادی کی ہے قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یأتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً۔ (بنی اسرائیل : ۸۸) کہ یہ وہ بے نظیر و بے مثال کتاب ہے جس کی مانند کوئی شخص نہیں بنا سکتا۔

(۹) یوحنا لاہوتی اِسی مکاشفہ میں فرماتے ہیں :-

"پھر مَیں نے ایک اور زور آور فرشتے کو بادل اوڑھے
آسمان سے اُترتے دیکھا۔ اس کے سر پر دھنک
تھی اور اس کا چہرہ آفتاب کی مانند تھا۔ اور
اس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند۔ اور
اس کے ہاتھ میں **ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی**
کتاب تھی۔ اس نے اپنا دہنا پاؤں تو سمندر
پر رکھا اور بایاں خشکی پر۔" (مکاشفہ یوحنا ۱۰: ۱-۲)

دیکھئے! کتنی واضح پیشگوئی ہے "چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب" یہ سورۂ فاتحہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس کا نام ہی فاتحہ ہے جو کُھلی ہوئی کتاب کے مفہوم پر صاف دلالت کر رہا ہے۔ اس کا نزول بھی لفظی اور معنوی طور پر دوبار ہوُا ہے۔ پھر یہ قرآنی پیغام بَر و بحر کے لئے ہے۔ سفید و سُرخ سب نسلیں اس کی مخاطب ہیں۔ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کے لئے عام کتاب ہے۔

(۱۰) قرآن مجید یعنی کلام خدا اور ہمارے نبی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مکاشفہ یوحنا کی واضح پیشگوئی الفاظ ذیل میں ہے :-

"پھر مَیں نے آسمان کو کُھلا ہوُا دیکھا۔ اور
کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور
اس پر ایک سوار ہے جو سچّا اور برحق
کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف
اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں آگ
کے شعلے ہیں اور اس کے سر پر بہت سے
تاج ہیں اور اس کا ایک نام لکھا ہوُا ہے
جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہ
خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے۔
اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ اور
آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور
سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے

اسکے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کے مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے۔ اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا۔ اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندیگا اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند" (مکاشفہ یوحنا $\frac{19}{11-16}$)

یہ پیشگوئی بھی صرف سید الانبیاء حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید ایسی بینات پر مشتمل کتاب عطا فرمائی جو باطل کے لئے تیز تلوار کا حکم رکھتی ہے۔

ان دس ۱۰ پیشگوئیوں سے ثابت ہے کہ تورات و انجیل میں قرآن مجید کی پیشگوئی موجود ہے اور اسے کامل شریعت اور مکمل آئین قرار دیا گیا ہے۔ یہ نوشتۂ الٰہی پورا ہوا اور قرآن مجید اپنی پوری شان میں ظاہر ہوا۔ وتمت کلمة ربك صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلماته ✦

بقیہ شذرات از صہ

حضرت آمنہ علیہا السلام کے لخت جگر سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو عمانوایل ماننے میں درحقیقت کوئی روک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبولِ حق کی توفیق بخشے۔ آمین

(۲) نسوانی فطرت اور قرآن مجید!

بھارت کی ایک خبر ہے "کل آندھرا اسمبلی میں ایک خاتون اور ایک مرد ممبر میں اس وقت جھڑپ ہوگئی کہ جب مرد ممبر نے جن کا نام مسٹر وریا ریڈی تھا دوران تقریر میں کہا کہ سماجی کاموں کے لئے جن عورتوں کا تقرر حکومت کرتی ہے انہیں کام کے مقابلہ میں اپنے بناؤ سنگار کی زیادہ فکر ہوتی ہے"

خبر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب مسز راجہ کو تقریر کا موقع ملا تو انہوں نے جواب میں کہا:۔

"بناؤ سنگار کرنا عورتوں کا پیدائشی حق ہے اور سماجی کام کرنے والی عورتوں پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے"

(روزنامہ انجام کراچی ۴ر اگست ۱۹۵۸ء)

اس سوال و جواب کو پڑھ کر قرآن مجید کے الفاظ اَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ کی صداقت کا بے ساختہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ عورت کی جس نسوانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں چودہ سو سال قبل بیان فرمایا تھا اس کا اقرار آج کی متمدن دنیا کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ جب عورت سمجھتی ہے کہ بناؤ سنگار اس کا فطرتی حق ہے تو وہ لوگ کس قدر غیر طبعی فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں جو عورت کو اس کے دائرہ سے نکال کر مردوں کے دوش بدوش دنیا کے سارے کاروبار میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

فطرتی ماحول کے مطابق عورت و مرد کی روحانی اور تمدنی مساوات کا اقرار کرتے ہوئے ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ میں کام کرتے رہنا چاہیئے۔ یہی طریق دنیا میں امن و سلامتی کی راہ ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے ✦

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

شذرات

(۱) "عمانوایل" والی پیشگوئی کے مصداق سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں!

یسعیاہ باب میں ایک عظیم الشان نبی کے ظہور کی پیشگوئی موجود ہے جس کا نام "عمانوایل" رکھا گیا ہے۔ عمانوایل کا ترجمہ عبرانی زبان میں "خدا ہمارے ساتھ" ہوتا ہے۔

عیسائی دنیا اس پیشگوئی کو حضرت مسیح پر چسپاں کرتی چلی آئی ہے لیکن اگر پیشگوئی کی حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ پیشگوئی حضرت مسیح علیہ السلام پر نہیں بلکہ سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہے۔ یسعیاہ کی عبارت میں جو الفاظ آئے ہیں۔ ان کا صحیح ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"خداوند آپ تم کو ایک نشان دیگا۔ دیکھو ایک جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھے گی اور وہ دہی و شہد کھائے گا جس وقت کہ وہ بُرا ترک کرنا اور بھلا پسند کرنے کا امتیاز پائے۔"

(یسعیاہ ۷/۱۴-۱۵)

عیسائی دنیا اس عبارت کے ترجمہ میں "ایک جوان عورت حاملہ ہوگی" کے الفاظ کے بجائے اپنی کتابوں میں لفظ "ایک کنواری حاملہ ہوگی" لکھتے آئے ہیں۔ (متی ۱/۲۳) لیکن ابھی حال میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عیسائیوں کا ترجمہ سراسر غلط تھا۔ عیسائی رسالہ "المائدہ" لاہور لکھتا ہے:۔

"گذشتہ سال امریکن بائبل سوسائٹی نے یسعیاہ ۷/۱۴ کے الفاظ "ایک کنواری حاملہ ہوگی" کو بدل کر "ایک جوان عورت حاملہ ہوگی" کر دیا اور ہندوستان اور پاکستان کے ایک بھی پادری صاحب کو یہ جرأت[1] نہ ہوئی کہ اس کے خلاف آواز بلند کرے۔" (المائدہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء)

پھر ایڈیٹر صاحب المائدہ لکھتے ہیں:۔

"یسعیاہ ۷/۱۴ کا ہمیشہ یہ ترجمہ ہوتا آیا تھا کہ "کنواری حاملہ ہوگی" مگر اس نئے ترجمہ کے مطابق اس آیت کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ "ایک جوان عورت حاملہ ہوگی""

اسی سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب المائدہ نے لکھا ہے:۔

"یہ ترجمہ مروجہ عام مسیحیت کی تردید کا حکم رکھتا ہے۔ مسیحی مذہب کی بنیاد مسیح ہے اور اس بنیاد کو ہندوستان و پاکستان کے مسئلہ زیر غور چرچ یونین یعنی تمام پروٹسٹنٹ مسیحی فرقوں کے اتحاد کی سکیم میں تسلیم کیا گیا ہے۔ سو اگر مسیح کی اس تعریف کو جس سے مسیحی ہندو اور مسلمان مانوس ہیں ختم کر دیا جائے تو مسیحیت ختم ہو جاتی ہے اور اس نئے امریکی ترجمہ نے یہی کام کیا ہے۔"

(المائدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

معزز ناظرین! مدیر المائدہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ امریکن بائبل سوسائٹی نے جو Revised Standard Version بائبل کا مستند ترجمہ شائع کیا ہے اور جس میں جہان بھر کے محقق پادریوں کے اتفاق سے یسعیاہ کی پیشگوئی

[1] گویا اس بارے میں حق کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ (الفرقان)

میں Virgin کے لفظ کی بجائے A Young woman ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس سے عیسائیت کی بنیاد ہل گئی ہے اور موجودہ مسیحیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

عبرانی الفاظ کے لحاظ سے وہی ترجمہ درست ہے جو امریکن بائیبل میں اب کیا گیا ہے اور محقق علماء انفرادی طور پر بہت پہلے سے یہی ترجمہ کرتے آتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کا بن باپ پیدا ہونا بالکل علیحدہ مسئلہ ہے لیکن عمانوایل والی پیشگوئی کا حضرت مسیحؑ کو مصداق ٹھہرانا بالکل علیحدہ بات ہے۔ متی کی انجیل میں عمانوایل کا ترجمہ "خدا ہمارے ساتھ" کیا گیا ہے (متی ۱/۲۳) پادری صاحبان کو نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ یہ پیشگوئی از روئے واقعات حضرت مسیحؑ پر کس طرح چسپاں ہو سکتی ہے؟

واقعاتی شہادت کی روشنی میں بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ عمانوایل کی پیشگوئی صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہے۔ آپؐ کی ساری زندگی اور آپؐ کی زندگی کا ہر سانحہ اس امر پر شاہد ہے کہ خدا آپؐ کے ساتھ تھا اور آپؐ اس دعویٰ کو ہمیشہ پورے وثوق کے ساتھ بیان فرماتے رہے ہیں۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے موقع پر غارِ ثور میں جب آپؐ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے غار کے کنارے پر کفار کے پاؤں دیکھ کر شدید خطرہ محسوس کیا، اس نازک ترین وقت میں بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے وثوق سے فرمایا۔ لا تحزن انّ اللہ معنا۔ کوئی غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مسٹر Stanley Lane Poole اپنے پمفلٹ "The Prophet and Islam" میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"Once they were very near and Aboo-Bekr trembled. 'We are but two.' 'Nay,' answered Mohammad, 'we are three, for God is with us.'" (P. 21)

کہ جب ایک دفعہ کفار بالکل نزدیک پہنچ گئے اور حضرت ابوبکرؓ لرز اٹھے اور کہا کہ ہم تو صرف دو ہیں۔ تب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جرأت سے جواب دیا ہرگز نہیں، ہم تو تین ہیں کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

جب عمانوایل کے معنے "خدا ہمارے ساتھ" کے ہیں تو تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ زندگی کے مشکل ترین مرحلہ پر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے انّ اللہ معنا کہہ کر اپنے عمانوایل ہونے کا قطعی ثبوت دیدیا ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مسیحؑ کی زندگی میں جب ابتلاء کی تیں گھڑی آئی تو انجیل متی میں لکھا ہے:۔

"تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا "ایلی ایلی لما سبقتنی" یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" (متی ۲۷/۴۶)

یہ موازنہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ عمانوایل کے مصداق حضرت مسیحؑ نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں عیسائیوں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمانوایل والی پیشگوئی کا مصداق ماننے میں صرف "کنواری" کا لفظ روک تھا مگر یہ ترجمہ سرے سے ہی غلط تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ محقق عیسائیوں نے بے حد چھان بین کرنے کے بعد اس لفظ کی بجائے صحیح ترجمہ "جوان عورت" کر دیا ہے۔ اب ایڈیٹر صاحب المائدہ ہزار تشدد مچائیں مگر منصف مزاج عیسائیوں کے لئے

(باقی صفحہ پر)

قرآن مجید کی جامعیت پر دیگر مذاہب کے نام چیلنج

[حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے ۱۹۰۳ء کے قریب آریہ مناظر پنڈت کھڑک سنگھ کو چیلنج کرتے ہوئے ذیل کا اہم اور زبردست مضمون تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے آریہ پنڈت کو انعامی چیلنج دیا ہے کہ وہ وید یا کسی اور مذہبی کتاب سے قرآن مجید کی تعلیمات کی مثل ثابت کرے۔ قرآن مجید اپنی جملہ تعلیمات میں خواہ وہ ذات باریتعالیٰ کے متعلق ہوں اور خواہ وہ بنی نوع اور دنیا کی حالت کے متعلق ہوں بے نظیر و بے مثل کتاب ہے۔ اسوقت آریہ پنڈت کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ حقیقت آج بھی آفتاب نیمروز کی طرح نمایاں ہے اور پادری اور پنڈت قرآن مجید کی جامعیت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ہم اس مضمون کی طرف توجہ دلانے کیلئے حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کے بہت ممنون ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے یہ مضمون اخبار الحکم ۱۷ستمبر ۱۹۰۳ء سے نقل کیا جا رہا ہے ——— ایڈیٹر]

قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اس کی ہدایت سب ہدایتوں سے کامل تر ہے اور اس دنیا کی حالت موجودہ میں جو خرابیاں پڑی ہوئی ہیں قرآن مجید سب کی اصلاح کرنے والا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ قرآن مجید اور کتابوں کی طرح مثل کتھا کے نہیں ہے بلکہ مدلل طور پر ہر ایک امر پر دلیل قائم کرتا ہے۔ اس دوسری نشانی پر ہم نے بنام کھڑک سنگھ وغیرہ پانسو روپیہ کا اشتہار بھی دیا تا کوئی پنڈت یہ صفت وید میں ثابت کر کے دکھلاوے کہ وید نے کن دلائل سے اپنے عقائد کو ثابت کیا ہے۔ مگر آج تک کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ دم بھی مار سکے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وید میں نہ انجیل میں نہ توریت میں ہرگز طاقت نہیں کہ کسی فرقہ مخالف کا رد مثلاً دہریہ کا رد یا طبعیہ کا رد یا ملحدوں کا رد یا منکر الہام کا رد یا منکر نبوت کا رد یا بت پرست کا رد یا منکر نجات کا رد یا منکر عذاب کا رد یا منکر وحدانیت باری کا رد یا کسی اور منکر کا رد دلائل قطعیہ سے کر کے دکھا دے۔ یہ سب کتابیں تو مثل مُردہ کے پڑی ہیں کہ جن میں جان نہ ہو۔ کھڑک سنگھ جو لڑکوں کو بہکاتا ہے کہ وید میں سب کچھ لکھا ہے تو اگر وہ سچا ہے تو ہم اس کو پانسو روپیہ دینا کرتے ہیں۔ ہم سے نمونہ لکھا لے کسی فرقہ کے رد میں دلائل عقلیہ سے جو وید میں درج ہوں وہ تین جز بمقابلہ فرقان مجید لکھ کر دکھا دے یا خدا کے خالقیت سے عاجز ہونے پر مقابلہ ہمارے دلائل کے وید سے دلائل نکال کر لکھے۔ اور پانسو روپیہ فی الفور ہم سے لے لے۔ اور وہ جو کہتا ہے کہ فرقان مجید توریت انجیل سے نکالا گیا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اگر وید سے کام نہیں بنتا تو توریت یا انجیل سے مدد لے۔ اور اگر توریت یا انجیل وہ دلائل جو فرقان مجید پیش کرتا ہے پیش کردیں گے تو ہم تب بھی کھڑک سنگھ کو پانسو روپیہ نقد دیں گے ایک تو نمونہ تعدادی پانسو روپیہ ابھی لکھ کر ہم بھیجتے ہیں لیکن اگر اس کے جواب میں خاموش رہے اور کچھ غیرت اور شرم اس کو نہ آوے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ بڑا بے حیا اور بے شرم ہے کہ ایسی پاک اور مقدس کتاب کی ہتک کرتا ہے کہ جس کی ثانی حکمت اور فلسفہ میں اور کوئی کتاب نہیں۔ تین ماہ سے بنام اس کے بوعدہ انعام پانسو روپیہ ہمارا مضمون چھپ رہا ہے اس نے آج تک کونسے دلائل وید کے پیش کئے۔ مترجم جیسی کتنی امت کو پیش فرمان بیایئے۔

اور پہلی نشانی جو ہم نے عنوان اس مضمون میں لکھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فرقان مجید اپنے احکام میں سب کتابوں سے کامل تر ہے اور ہماری موجودہ حالت کے عین مطابق ہے۔ اور جس قدر فرقان مجید میں احکام ہدایت حسب حالت موجودہ دنیا کے مندرج ہیں کسی اور کتاب میں ہرگز نہیں۔ اگر کھڑک سنگھ وید میں یا توریت انجیل میں یہ سب احکام نکال دے تو اس پر بھی

ہم پانسو روپیہ دینے کی شرط کرتے ہیں۔ اگر کچھ شرم ہوگی تو ضرور بمقابلہ اس کے وید سے بحوالہ پتہ و نشان لکھے گا ورنہ خود یہ لڑکے جن کو بہکا رہا ہے یہی سمجھ جائیں گے کہ جھوٹا ہے۔ کون منصف اس عذر کو سن سکتا ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ تمہارا وید محض ناقص ہے۔ تم یہ احکام وید سے نکال دو۔ اگر ناقص نہیں تم یہ جواب دیتے ہو ہمیں فرصت نہیں۔ وید یہاں موجود ہیں۔ بھلا یہ کیا جواب ہے۔ اس جواب سے تو تم جھوٹے ٹھہرتے ہو۔ جس حالت میں ہم پانسو روپیہ نقد دینا کرتے ہیں۔ تو نوٹ لکھ دیتے ہیں۔ رجسٹری کرا دیتے ہیں تو پھر اگر تمہارا وید بھی کچھ چیز ہے تو کس دن کے واسطے رکھا ہوا ہے۔ دس بیس روز کی ہم سے مہلت لے لو۔ دیانند کو پا مدد گار بنا لو۔ ہم کو وہ احکام نکال دو جو ہم نیچے فرقان مجید سے نکال کر لکھیں گے یا یہ اقرار کر دو کہ یہ احکام ہمارے نزدیک ناجائز ہیں تب پھر ان کے ناجائز ہونے کا نمبر وار وید سے حوالہ دو۔ غرض تم ہمارے ہاتھ سے کہاں بھاگ سکتے ہو۔ یہ جو تم محض شرارت سے بارادۂ توہین حضرت خاتم الانبیاءؐ کی نسبت بدزبانی کرتے ہو یہ محض تمہاری بد اصلی ہے۔ اپنے وید میں بھی تم نے ایسی ایسی اہانت سب پیغمبروں کی نسبت لکھی ہے۔ ہم کو خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ ہم سب پیغمبروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے نجات سب مخلوقات کی اسلام میں سمجھتے ہیں۔ تم کہا اگر حضرت خاتم الانبیاءؐ پر کچھ اعتراض ہے تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب سے بھارا ہو تحریر کر کے پیش کرو۔ ہم تمسک لکھ دیتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض تمہارا صحیح ہوا تو ہزار روپیہ ہم تم کو دیدیں گے۔ اور تم ایک تمسک لکھ دو کہ اگر وہ اعتراض جھوٹا نکلا تو سو روپیہ بطور جرمانہ تم ہم کو دو گے۔ اور اب اگر ہماری یہ تحریر سن کر چپ ہو جاؤ اور اس شرط پر بحث شروع نہ کرو تو ہر یک منصف سمجھ جائے گا کہ وہ سب توہین تم نے بے ایمانی سے کی ہے اکثر لوگوں کا اکثر قاعدہ ہے کہ آفتاب پر تھوکتے ہیں اور بجھا ہوا چراغ لئے بیٹھے ہیں، گویا کوئی بڑی چیز مجھ دکھلا ہے کہ موت سے ڈرتے نہیں۔ ورنہ ایسے آفتاب کی توہین کرنا جو نور دنیا کا ہے نری بے ایمانی ہے۔ جھوٹے آدمی کی یہ نشانی ہے کہ جاہلوں کے روبرو تو بہت لاف و گزاف مارتے ہیں مگر جب کوئی دامن پکڑ کر پوچھے کہ ذرا ثبوت دیکر جاؤ تو حیران ہو جاتے ہیں......

.....اب ہم نیچے وہ احکام فرقان مجید کے لکھتے ہیں کہ جن میں ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وید میں یہ تمام احکام ضرور یہ ہرگز موجود نہیں اسلئے وید ناقص تعلیم ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ اور لعنت اس شخص پر کہ جھوٹا ہے۔

اوّل خدا کی نسبت جو احکام فرقان مجید کے ہیں خلاصہ آیات کا نیچے لکھتا ہوں:۔

۱۔ تم خدا کو اپنے جسموں اور روحوں کا رب سمجھو۔ جس نے تمہارے جسموں کو بنایا اسی نے تمہاری روحوں کو بنایا وہی تم سب کا خالق ہے۔ اس بن کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔

۲۔ آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور جتنی نعمتیں زمین آسمان میں نظر آتی ہیں یہ کسی عمل کنندہ کے عمل کی پاداش نہیں محض خدا کی رحمت ہے کسی کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا کہ میری نیکیوں کے عوض میں خدا نے سورج بنایا یا زمین بچھائی یا پانی پیدا کیا۔

۳۔ تو سورج کی پرستش نہ کر۔ تو چاند کی پرستش نہ کر۔ تو آگ کی پرستش مت کر۔ تو پتھر کی پرستش مت کر۔ تو مشتری ستارے کی مت پوجا کر۔ تو کسی آدمزاد یا اور کسی جسمانی چیز کو خدا مت سمجھ کہ یہ سب چیزیں تیرے ہی نفع کے واسطے ہم نے پیدا کی ہیں۔

۴۔ بجز خدا کے کسی چیز کی بطور حقیقی تعریف مت کر۔ کہ سب تعریفیں اسی کی طرف راجع ہیں۔ بجز اس کے کسی کو اس کا وسیلہ مت سمجھ کہ وہ تجھ سے تیری رگ جان سے بھی

زیادہ نزدیک تر ہے۔

۵۔ تو اس کو ایک سمجھ کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ تو اسکو قادر سمجھ جو کسی فعل قابل تعریف سے عاجز نہیں تو اس کو رحیم اور فیاض سمجھ کہ جس کے رحم اور فیض پر کسی عامل کے عمل کو سبقت نہیں۔

دوئم حالت موجودہ دنیا کے مطابق گناہوں کی نسبت

۱۔ تو سچ بول اور سچی گواہی دے اگرچہ اپنے حقیقی بھائی پر ہو یا باپ پر ہو یا ماں پر یا کسی اور پیارے پر ہو۔ اور حقانی طرف سے الگ مت ہو۔

۲۔ تو خون مت کر۔ کیونکہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا وہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے سارے جہان کو قتل کر دیا۔

۳۔ تو اولادکشی اور دخترکشی مت کر۔ تو اپنے نفس کو آپ قتل مت کر۔ تو کسی قاتل یا ظالم کا مددگار مت ہو۔ تو زنا مت کر۔

۴۔ تو کوئی ایسا فعل نہ کر جو دوسرے کا ناحق باعث آزار ہو۔

۵۔ تو قماربازی نہ کر۔ تو شراب مت پی۔ تو سود مت لے۔ اور جو اپنے لئے اچھا سمجھتا ہے وہی دوسرے کیلئے کر۔

۶۔ تو نامحرم پر ہرگز آنکھ مت ڈال۔ نہ شہوت سے نہ خالی نظر سے کہ یہ تیرے لئے ٹھوکر کھانے کی جگہ ہے۔

۷۔ تم اپنی عورتوں کو میلوں اور محفلوں میں مت بھیجو۔ اور ان کو ایسے کاموں سے بچاؤ کہ جہاں وہ ننگی نظر آویں۔ تم اپنی عورتوں کو زیور چھنکاتی ہوئی خوش اور پسند لباس میں کوچوں اور بازاروں اور میلوں کی سیر سے منع کرو۔ اور ان کو نامحرموں کی نظربازی سے بچاتے رہو۔

تم اپنی عورتوں کو تعلیم دو اور دین اور عقل اور خداترسی میں ان کو پختہ کرو۔ اور اپنے لڑکوں کو علم پڑھاؤ۔

۸۔ تو جب حاکم ہو کر کوئی مقدمہ کرے تو عدل سے کر۔ اور رشوت مت لے۔ اور جب تو گواہ ہو کر پیش ہو تو سچی گواہی دیئے جا اور جب تیرے نام حاکم کی طرف سے بغرض ادا کسی گواہی کے حکم طلبی کا صادر ہو۔ تو خبردار حاضر ہونے سے انکار مت کیجو اور عدول حکمی مت کریو۔

۹۔ تو خیانت مت کر۔ تو کم وزنی مت کر اور پورا پورا تول۔ تو جنس ناقص کو عمدہ کی جگہ مت بیچ۔ تو جعلی دستاویز مت بنا اور اپنی تحریر میں جعلسازی نہ کر۔ تو کسی پر تہمت مت لگا اور کسی کو الزام نہ دے کہ جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں۔

۱۰۔ تو چغلی نہ کر۔ تو بگلہ نہ کر۔ تو تمامی مت کر اور جو تیرے دل میں نہیں وہ زبان پر مت لا۔

۱۱۔ تیرے پر تیرے ماں باپ کا حق ہے جنہوں نے تجھے پرورش کیا۔ بھائی کا حق محسن کا حق ہے سچے دوست کا حق ہے۔ ہمسایہ کا حق ہے۔ ہموطنوں کا حق ہے۔ تمام دنیا کا حق ہے۔ سب سے رتبہ برتبہ ہمدردی سے پیش آؤ۔

۱۲۔ شرکاء کے ساتھ بدمعاملگی مت کر۔ یتیموں اور نابالغوں کے مال کو خورد برد مت کر۔

۱۳۔ اسقاط حمل مت کر۔ تمام اقسام زنا سے پرہیز کر۔ کسی عورت کی عزت میں خلل ڈالنے کے لئے اس پر کوئی بہتان مت لگا۔

۱۴۔ تو بخدا ہوا اور دو بدنیا نہ ہو کہ دنیا ایک گذرجانیوالی چیز ہے اور وہ جہان ابدی جہان ہے بغیر ثبوت کامل کے کسی پر ناحق تہمت مت لگا۔ کہ دلوں اور کانوں اور آنکھوں سے قیامت کے دن مواخذہ ہوگا۔

۱۵۔ کسی سے جبراً کوئی چیز مت چھین اور قرض کو عین وقت پر ادا کر۔ اور اگر تیرا قرضدار نادار ہے تو اسکو قرض بخشدے۔ اور اگر اتنی طاقت نہیں تو قسطوں سے وصول کر لیکن تب بھی اس کی وسعت وقت دیکھ لے۔

۱۶- کسی کے مال میں لاپرواہی سے نقصان مت پہنچا اور نیک کاموں میں مدد دے۔

۱۷- اپنے ہم سفر کی خدمت کر اور اپنے مہمان سے تواضع سے پیش آ۔ سوال کرنے والے کو خالی مت پھیر۔ اور ہر ایک جاندار بھوکے پیاسے پر رحم کر۔

۱۸- لوگوں کی راز جوئی مت کر اور کسی کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے اندر مت جا۔ اور کسی شخص کو دھوکہ دینے کی نیت سے کوئی کام مت کر۔ دغا اور فریب اور نفاق سے دور رہ۔ اور ہر ایک شخص سے صفائی سے معاملہ کر اور یتیموں اور ہمسایوں اور قریبیوں خواہ رشتہ دار ہوں خواہ غیر تعلق والے ہوں۔ اور تنہا رہنے والے مسافروں اور راہ گیروں اور غلاموں پر مہربانی کرو"۔

قرآن مجید کامل تعلیمات پر حاوی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات

"خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے اَنَا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اس پر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے۔ کیا اس کی زبان ہے۔ یہ بھی ایک بڑی بیباکی ہے۔ کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا؟ کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا؟ پس کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے۔ یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اس کے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بے شک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالا مال کرنے کو طیار ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اور اب بھی اس کے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہنچ گئیں۔

اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی از حکمت نہ تھا۔ عرب اس بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمتِ الٰہی سے بیابان فاران میں ڈال دی گئی تھی۔ اور فاران کے معنے ہیں دو فرار کرنے والے یعنی بھاگنے والے پس جن کو حضرت ابراہیمؑ نے بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا تھا ان کا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحاق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے ان کا* (باقی کالم اوّل کے نیچے)

*تعلق اور رشتہ نہ تھا۔ دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم، عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت ان کو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اسلئے آخر میں اس کی نوبت آئی اور اس کی نبوت عام ٹھہری۔ تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اس کو نکال دیوے۔ پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جس نے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے۔ وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے۔ پھر انسانی صورت بنانے کے بعد اخلاقِ فاضلہ کا سبق دیا۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی ص[illegible] و ص[illegible])

قرآن مجید حریتِ ضمیر اور مذہبی آزادی کا علمبردار ہے

از جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نورِ عقل اور آزادیٔ ضمیر عطا فرما کر تمام دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی اور اُسے نیکی اور بدی کا راستہ بھی کھول کر بتا دیا ہے۔ اور اس کی آزادیٔ ضمیر کو ہر حال میں قائم رکھ کر اُسے اختیار دیا کہ نیکی اور بدی کے دونوں راستوں میں سے جس راستہ کو چاہے اختیار کرے۔ کیونکہ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے وہ انعام یا سزا کا مستحق ٹھہر سکتا تھا لیکن جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے شیطانی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں نے ہر زمانہ میں انسان کے اس پیدائشی حق کو سلب کرنے کی انتہائی کوشش کی اور مذہب و عقیدہ کی آزادی کی نعمت سے جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے از راہِ جبر و اکراہ محروم کرنا چاہا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صاف صاف کہدیا تھا:-

"لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین" (شوریٰ ع)

کہ اے نوح! اگر تم اپنے اس نئے مذہب سے باز نہ آئے اور تم نے اپنا موجودہ رویّہ نہ بدلا تو تم ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے"

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے مذہب کے متعلق جب آزر سے گفتگو کی تو وہ لاجواب ہو کر بولا:-

"لئن لم تنتہ لارجمنّک" (مریم ع)

کہ تم اپنے عقیدہ اور تبلیغ سے باز آجاؤ ورنہ میں تمہیں سنگسار کر دوں گا"

حضرت لوط علیہ السلام کے منکرین نے اخراج کی دھمکی دی اور حضرت شعیبؑ کے مخالفوں نے اُن سے کہا لنخرجنّک یا شعیبُ والذین آمنوا معک من قریتنا او لتعودنّ فی ملّتنا قال اولو کنّا کارھین (اعراف ع)

اے شعیب! یا تو ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ" مطلب یہ کہ تم ہمارے آبائی مذہب سے مرتد ہو گئے ہو اسلئے ہم تمہیں نکالنے سے پہلے توبہ کا موقع دیتے ہیں" حضرت شعیبؑ نے جواب دیا کہ خواہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہی ہوں تب بھی؟"

یعنی جب ہم تمہارے دین سے بیزار ہیں تو ہم سے یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ اس میں واپس آئیں۔ دوسرے یہ کہ بیزاری کی حالت میں واپسی ہو بھی تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟-

پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جب فرعون کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے یہ کہا:-

"اقتلوا ابناء الذین آمنوا معہٗ واستحیوا نساءھم" (المؤمن ع)

کہ موسیٰؑ پر جو ایمان لائے ہیں انکے مردوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو"

اسی طرح جب ساحر اپنی شکست محسوس کر کے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تو فرعون نے ان سے کہا کہ پہلے تو میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا تم جو چاہو کرو ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانیوالوں کے ساتھ یہودیوں نے جو بے پناہ مظالم کئے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کئے گئے اور ان کے شاگردوں کو مارا گیا، پیٹا گیا، سنگسار کیا گیا اور ان کو مسیح کا نام لیکر بات کرنے کی ممانعت کی جاتی تھی۔ (دیکھو اعمال ۴ و ۵ و ۷ وغیرہ)۔

یہ سلسلہ مظالم عیسائیوں پر تین صدیوں تک جاری رہا۔ اصحاب الکہف کو انہی مظالم سے تنگ آ کر غاروں میں سکونت اختیار کرنا پڑی اور ان غاروں میں بھی ان کا تعاقب کیا جاتا اور جس وقت ہاتھ آ جاتے نہایت بھیانک طریق سے قتل کر دیئے جاتے۔ کیٹا کومز آف روم ان مظالم کی زندہ گواہ ہیں اور ان پر مصیبت کے پہاڑ اسلئے ڈھائے جاتے تھے کہ وہ حکام وقت سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے۔ پھر عیسائی پادریوں اور بشپوں وغیرہ نے جب انہیں حکومت مل چکی تھی خفیف سے خفیف اختلافِ عقیدہ کی بناء پر سخت سے سخت ظلم و ستم کئے اور اشد ترین سزائیں دیں۔ یورپ میں ایسے تحقیقاتی جج مقرر کر دیئے گئے جنہیں کلی اختیار دیا گیا تھا کہ جس پر کفر یا الحاد کا شبہ ہو اسے اپنے سامنے بلوا کر جس قسم کی سزا دینا چاہیں دیدیں۔ یہود کو اس وقت ملحد اور قابل سزا قرار دیا جاتا تھا جب وہ عیسائی مذہب یا عیسائی جماعت پر حملہ کریں یا کسی عیسائی کو یہودی بنائیں یا عیسائی ہونے کے بعد پھر یہودی مذہب میں داخل ہو جائیں۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ایڈیشن ۱۱ زیر لفظ انکیوزیشن)

پھر آرچ بشپ آرنڈل نے ملحدین کو جلوانیکا قانون بنا کر مختلف صوبوں میں نافذ کیا۔ اور قانون کے الفاظ یہ تھے کہ اگر کوئی شخص چرچ کے عقائد کے خلاف تبلیغ کرتا پایا گیا۔ تو اس کو چرچ سے خارج کر دیئے جانے کی سزا دی جائے گی اور وہ ملحد اور کافر قرار دیا جائے گا۔

پھر جان وکلف جس نے بائیبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور کیتھولک کے بعض غلط عقائد کے خلاف آواز اٹھائی تو کیتھولک نے اس پر اور اس کے پیروؤں پر نہایت بھیانک مظالم کئے اور انہوں نے یہ قانون بنایا کہ:۔

"ہمیشہ کے لئے یہ قانون بنایا جاتا ہے کہ خواہ کوئی بھی ہو جو شخص مقدس کتابیں اپنی مادری زبان میں پڑھتا ہوا پایا جائے اس کی اراضی مواشی اور جسم و جان اور اسباب ہمیشہ کیلئے ضبط کئے جائیں۔ نہ اسے دیئے جائیں اور نہ اس کے ورثاء کو۔ اور وہ خدا کا منکر، بادشاہ کا دشمن اور قانون کا خطرناک دشمن سمجھا جائے۔" (ہسٹری آف دی پریسٹ کرافٹ اِن آل ایجز مؤلفہ ولیم ہوئٹ ص۱۰۲)

ڈاپرٹ سن اپنی کتاب موسومہ "ہسٹری آف کرسچینٹی" (عیسائیت کی تاریخ) میں لکھتا ہے:۔

"جولین ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح ان لوگوں کی جو ملحد کے نام سے پکارے جاتے تھے جماعتوں کی جماعتیں تہ تیغ کر ڈالی جاتی تھیں۔ خصوصاً "ساموذی کس" اور "ساموساٹا" کے شہروں میں اور بتھینیا اور گلیشیا اور بہت سے اور صوبہ جات میں شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں بالکل نابود کر دیئے گئے۔ سنہ ۳۴۲ء میں شہر قسطنطنیہ کے ایک ہی ہنگامہ قتل میں تین ہزار سے زائد جانیں ضائع کر دی گئیں۔"

اختلافِ عقیدہ کی بناء پر اس قسم کے شدید اور ہولناک مظالم صرف عیسائیوں نے ہی نہیں کئے بلکہ دوسرے مذاہب والوں نے بھی کئے ہیں۔ اور صاحبِ اقتدار لوگوں نے حریت ضمیر اور آزادیٔ مذہب کو جو انسان کو انسان بنانے اور اس کو اس کے معبودِ حقیقی سے ملانے کا ذریعہ ہیں دُنیا سے مٹا دینے کی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

قائد المرسلین خاتم النبیین کا ظہور

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد سردارِ دوجہان سید الانس والجان قائد المرسلین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زینت بخش منصبِ نبوت ہوئے۔ جب آپ نے پیغامِ الٰہی کی تبلیغ شروع کی تو اہلِ مکہ نے جن میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے سخت مخالفت کی حتیٰ کہ آپ کو دوسرے قبائل سے جو مکہ سے باہر رہتے تھے یہ کہنا پڑا کہ کیا ان میں کوئی ہے جو مجھے اپنے قبیلہ میں لے چلے۔ کیونکہ قریش نے

"منعونی ان ابلغ کلام ربی" (ابوداؤد)

مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے۔ مخالفین نے مکہ مکرمہ کے چاروں طرف پہرے بٹھا دیئے تھے کہ نہ آپ دوسری جگہ جائیں اور نہ دوسرے قبائل کے لوگ آپ کے پاس آسکیں۔ آپ کے ماننے والے پیاسے تڑپائے گئے اور دھوپ میں جھلس دینے والی زمین پر لٹا کر ان کے سینہ پر گرم پتھر رکھے گئے اور ٹھیک دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹے گئے۔ بہت سے اور قسما قسم کی اذیتوں سے قتل کئے گئے۔ اور کفارِ مکہ کے ان مظالم اور وحشیانہ جرائم کے ارتکاب کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو مرتد خیال کرتے تھے اور اسی غرض سے انہیں صابی یعنی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کرنے والے کہتے تھے۔

مذہبی آزادی کا اعلانِ عام

جبکہ دُنیا میں مذہبی اختلاف کی بناء پر جبر و اکراہ کا بازار ہر طرف گرم تھا اور مذہب کے نام پر جور و ستم کے طوفان پر طوفان برپا کئے جا رہے تھے۔ حریتِ ضمیر و آزادیٔ مذہب کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ سرخیلِ انبیاء شافعِ روزِ جزاء وسزا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے خلق اللہ نے ایک اعلانِ الٰہی سُنا اور مختلف الفاظ و انداز میں بار بار سُنا۔ چنانچہ فرمایا:-

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" (الکہف ع۴)

"تو کہدے یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے اسکا انکار کردے۔"

اس آیت شریفہ میں بڑی وضاحت سے ہر انسان کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ جس مذہب کو وہ صحیح سمجھے اُسے اختیار کرے اور جس کو صحیح نہ سمجھے اُسے رد کردے۔ اور فرمایا:-

"اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا" (المزمل ع۲)

"کہ یہ نصیحت کی باتیں ہیں۔ پس جو چاہے اپنے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔"

اور فرمایا:-

"لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" (البقرہ ع۳۴)

دین میں کسی قسم کا اکراہ جائز نہیں اور حقیقتاً دین جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے جبر ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ جبر سے زبان سے کوئی بات کہلوائی تو جا سکتی ہے مگر دل سے منوائی نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اکراہ کے عدمِ جواز کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ہدایت کا راستہ گمراہی کے راستہ

سے بالکل واضح ہو چکا ہے اسلئے اگر کوئی رشد کا راستہ
اختیار کرنا چاہے تو یہ آسانی کر سکتا ہے۔ نہ کرے تو یہ اس کا
قصور ہے۔ جبر و اکراہ دین کے معاملے میں جائز نہیں کیونکہ
مجبور جزا و سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اور فرمایا :-

"قل اللہ اعبد مخلصاً لہ دینی
فاعبدوا ما شئتم" (زمر ع۲)

اے رسول! تمام اہل مذاہب سے یہ کہدے
کہ میں تو محض خدا کی فرمانبرداری کو مدنظر رکھکر
اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ سوا اس کے سوا تم
جس کو چاہو پوجو اور اس کی عبادت کرو۔ تم
آزاد ہو۔"

اور فرماتا ہے :-

"لکم دینکم ولی دین"

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے
میرا دین۔ ہر ایک اپنے اعمال کی سزا یا جزا
پائے گا۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول کا فرض صرف
تبلیغ رسالت قرار دیا ہے نہ لوگوں کو منوانا۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

"ما علی الرسول الا البلٰغ" (مائدہ ع۱۴)

کہ رسول کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام
کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔"

اسی طرح فرمایا ہے :-

اے رسول! تو دنیا کے تمام اہل مذاہب سے خواہ وہ
اہل کتاب ہوں یا اُمّی جو کتاب نہیں رکھتے کہدے کیا تم
اسلام لاتے ہو؟ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور خدا کا فیصلہ
ماننے کے لئے تیار ہوں تو وہ یقیناً راہ راست پر ہیں۔ وان
تولوا فانما علیک البلٰغ واللہ بصیر بالعباد
(آل عمران ع۲) لیکن اگر وہ منہ پھیر لیں تو تجھ پر تو پیغام الٰہی
کو پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی حالت سے خوب
واقف ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے
رسول کو مخاطب کر کے فرمایا :-

ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض
کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس
حتیٰ یکونوا مؤمنین وما کان
لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ"
(یونس ع۱۰)

اے رسول! اگر تیرا رب دین کے بارے میں
جبر و اکراہ روا رکھتا تو جتنے آدمی روئے زمین
پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو
لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ سب کے سب
مومن بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے
بغیر تو کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا۔"

یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ کسی سے بزور کوئی عقیدہ
منوانا یا اُسے بزور اپنے مذہب میں رکھنا جائز نہیں ہے۔
کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس امر کو روا نہیں رکھا کہ دین کے معاملے
میں جبر و استبداد سے کام لیا جائے اور اپنے رسول کے
ذریعے یہ اعلان کرتا ہے کہ مذہبی آزادی انسان کا فطرتی
حق ہے جو جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں جو جنگیں
کیں ان کی غرض بھی مذہبی آزادی کو قائم کرنا تھی۔ جیسا کہ
قرآن مجید کی آیت وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ
ویکون الدین للہ کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
نے بحوالہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس آیت کی یہ تشریح لکھی ہے:

"قال فعلنا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وکان الاسلام قلیلاً فکان
الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ و

اَمَّا بَعْدُ بِعَوْهِ حَتّٰی کَثُرَ الْاِسْلَامُ فَلَمْ تَکُنْ فِتْنَةٌ "

(بخاری کتاب التفسیر سورہ بقرہ)

یعنی جو غرض اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پوری کر چکے ہیں۔ اس وقت مسلمان تھوڑے تھے۔ اگر کوئی مسلمان ہوتا تو وہ دین کی وجہ سے مصائب کا نشانہ بنایا جاتا۔ یا تو قتل کر دیا جاتا یا اُسے ہمیشہ تکلیف دیتے رہتے تھے لیکن جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو وہ فتنہ باقی نہ رہا۔ اور مذہبی آزادی قائم ہو گئی۔"

پس قرآن شریف نے مذہبی آزادی کا مذکورہ بالا اعلان جن خوبصورت پیرایوں، دلکش دلائل اور دلنشین وضاحتوں کے ساتھ کیا ہے اس کی نظیر کسی اور مذہبی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اور آج دُنیا کی تمام قومیں اس امر کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں کہ کسی مذہب و عقیدہ کو اختیار کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے چنانچہ ۱۹۴۷ء میں یو۔ این۔ او نے انسانی حقوق کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے بعد غور و تحمیص منجملہ اور حقوق کے اس حق آزادی کو بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اسٹار ایجنسی نے ۱۰ر نومبر ۱۹۴۷ء کو جنیوا سے یہ خبر بھیجی کہ:-

"اتحادی اقوام کی ایک خاص کمیٹی نے جو انسانی حقوق کے متعلق منشور تیار کر رہی ہے اس میں ایک ایسی دفعہ منظور کی ہے جس کے پہلے حصے میں ہر فردِ بشر کے لئے خیال ضمیر اور مذہب کی کامل آزادی تسلیم کر لی گئی ہے۔ دفعہ کے دوسرے حصے میں ہر شخص کو مذہب تبدیل کرنے اور دوسرے کو تبلیغ کرنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔" (الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۴۷ء)

اتحادی اقوام کی مذکورہ بالا کمیٹی نے اس قرارداد سے گویا اس تعلیم اسلام کی فضیلت کا جو ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوئی تھی اقرار کیا ہے اور دُنیا پر واضح کر دیا ہے کہ مذہبی آزادی کا جس کو آج بیسویں صدی میں انسان کا پیدائشی حق قرار دیا جا رہا ہے اسلام نے ہر فردِ بشر کے لئے آج سے قریباً چودہ سو برس پیشتر اعلان کیا تھا۔

مولانا مودودی اس اعلانِ آزادی کے مخالف ہیں

آج اقوام متحدہ نے اسلام کے اعلانِ آزادی ضمیر و مذہب و تبلیغ کو اپنا کر اسلام کی سربلندی کا اعتراف کیا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب انسان کے مذہبی آزادی اور حریتِ ضمیر اور آزادی تبلیغ کے پیدائشی حق کو جو اسلام نے اُسے دیا ہے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آپ اپنے رسالہ "ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں" میں زیر عنوان "دار الاسلام میں تبلیغ کفر کا مسئلہ" لکھتے ہیں:-

"اس مسئلہ کا فیصلہ بڑی حد تک تو قتلِ مرتد کے قانون نے خود ہی کر دیا ہے کیونکہ جب ہم اپنے حدودِ اقتدار میں کسی ایسے شخص کو جو مسلمان ہو اسلام سے نکل کر کوئی دوسرا مذہب و مسلک قبول کرنے کا حق نہیں دیتے تو لامحالہ اس کے معنے یہی ہیں کہ ہم حدودِ دار الاسلام میں اسلام کے بالمقابل کسی دوسری دعوت کے اُٹھنے اور پھیلنے کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔" (صفحہ ۳۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کے نزدیک دوسرے اہلِ مذاہب کو اپنے خیالات کے اظہار اور تبلیغ کی آزادی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسرا مذہب اختیار کرے تو جیسے فرعونیوں اور مکہ کے مخالفین اسلام اور دیگر انبیاء کے مخالفین نے اپنے مذہب سے ارتداد اختیار کرنے والوں کو قتل کیا اور انہیں بے پناہ مظالم کا تختہ مشق بنایا

اسی طرح ایسے شخص کی سزا اسلامی حکومت میں قتل ہوگی۔ اور
اسے مولانا مودودی صاحب کے قانونِ اسلامی کے مطابق
زندہ رہنے کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ ایسے مسلمان کے متعلق
جو دوسرا مذہب اختیار کرے ناصحانہ انداز میں لکھتے ہیں:۔

" اگر وہ ایسا ہی راستی پسند ہے کہ منافق
بن کر رہنا نہیں چاہتا بلکہ جس چیز پر اب ایمان
لایا ہے اس کی پیروی میں صادق ہونا چاہتا
ہے تو اپنے آپ کو سزائے موت کیلئے کیوں
پیش نہیں کرتا " (" ص۵۳)

پھر آپ لکھتے ہیں کہ :۔

" لا اکراہ فی الدین کے معنی یہ ہیں کہ
ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کے لئے مجبور
نہیں کرتے ..... مگر جسے آکر واپس جانا ہے
اُسے ہم پہلے خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ
آمدورفت کے لئے کھلا ہوا نہیں " (" ص۵۱)

مگر مولانا مودودی صاحب بتائیں کہ اس آیت میں کونسا
لفظ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر کوئی ایک دفعہ اسلام قبول
کر لے تو پھر وہ حریتِ ضمیر اور مذہبی آزادی کے حقوق سے
محروم ہو جاتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر معنوی تحریف کی
مثال مل سکتی ہے کہ لا اکراہ فی الدین کے یہ معنی کئے
جائیں کہ دین کے معاملے میں پہلی بار تو جبر و اکراہ جائز نہیں لیکن
دوسری تبدیلیٔ مذہب کے وقت جائز ہے؟ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔

علامہ ابو مسلم اور قفال نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

" دلائل ظاہر ہو گئے اور بینات واضح
ہو گئیں۔ اب منوانے کے لئے ایک جبر کا ہی
طریق باقی تھا اور یہ جائز نہیں کیونکہ یہ انسان کے
مکلف بنائے جانے کے اصل کے منافی ہے۔
یعنی جبر کی صورت میں وہ جزا سزا کا مستحق نہیں
ہو سکتا " (البحر المحیط للامام ابی حیان الاندلسی)

مولانا مودودی کی مخالف مسلم جماعتیں

مولانا مودودی صاحب ان مسلمانوں کے متعلق جو اُن
کے نزدیک راہ راست پر نہیں لکھتے ہیں کہ جو لوگ

" مسلمانوں کے اندر سے خدا کے قانون سے
بغاوت کریں۔ ظاہر ہے (کہ یہ ذمیوں میں شمار
نہیں ہوں گے) لامحالہ ان لوگوں میں شمار ہونگے
جن پر حق واضح ہو چکا ہے یا جن کے لئے وضاحتِ
حق کے تمام وسائل موجود ہیں ...... اب اگر
وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتے ہیں تو آخر
خدا کا قانون ان کو کس غرض کے لئے مہلت
دے گا۔ اب ان کی ہدایت کے لئے کس چیز
کا انتظار باقی ہے۔ ان لوگوں کو سورہ مائدہ کی
آیت انما جزآؤا الذین یحاربون اللہ
ورسولہ۔ الآیۃ۔ کی رُو سے امام قتل کر دینے
کا مجاز ہے " (ترجمان القرآن ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۲ء)

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کے نزدیک نہ صرف
غیر مسلم کو اپنے مذہب کی تبلیغ اور مذہبی خیالات کے اظہار
کی آزادی نہ ہوگی بلکہ ہر غیر صالح مسلمان کے مذہبی خیالات و
افکار کا اظہار بھی بغاوت کے مترادف ہوگا۔ گویا جماعتِ اسلامی
کی مخالف مسلمان جماعتیں بھی اگر اپنے مخصوص اسلامی خیالات
کا اظہار کریں گی تو وہ بھی باغی شمار ہوں گی اور ان کی سزا بھی
قتل ہوگی اور وہ بھی مودودی ٹائپ اسلامی ریاست میں
حریتِ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کے پیدائشی حق سے محروم کی
جائیں گی اور اگر وہ اپنے افکار کی اشاعت پر مُصر ہوں گی
تو امام ان کو قتل کر دینے کا مجاز ہوگا۔

کیا مسلمان خلفاء اور بادشاہ مجرم تھے؟

پھر مولانا مودودی صاحب ان خلفاء اور بادشاہوں

کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پیروی میں غیر مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا، انہیں دنیا پرست خلفاء اور بادشاہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ لوگ ایک حقیقی اسلامی حکومت کے فرائض سے ناواقف یا ان سے منحرف ہو چکے تھے۔
رواداری کے موجودہ تصور کو جن لوگوں نے معیارِ حق سمجھ رکھا ہے وہ بڑے فخر کے ساتھ بادشاہوں کے یہ کارنامے داد طلبی کے لئے غیر مسلموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مسلمان بادشاہ نے غیر مسلم معبدوں اور مدرسوں کے لئے اتنی جائداد وقف کی اور فلاں کے دور میں ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے اپنے دین کے پرچار کی پوری پوری آزادی حاصل تھی مگر یہ سب کارنامے ان بادشاہوں کے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔"

(ارتداد کی سزا اسلامی قانون میں صفحہ ۲۱-۴۲)

گویا اسلام اپنی غیر مذاہب رعایا سے رواداری بھی جائز نہیں رکھتا حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے پادریوں اور لشپوں کو مسجدِ نبوی میں اپنے طریق پر پوجا ادا کرنے کی اجازت فرمائی اور ان سے مباحثہ کیا۔ ان کے عقائد اور دلائل سُنے اور اپنے دلائل سُنائے۔

فطرتِ انسانی کی آواز

انسان اپنی طاقت کے نشہ میں جو چاہے قانون جاری کرے مگر ہر ایسے قانون کو جو انسان کے پیدائشی حقوق کو سلب کرنیوالا ہے فطرتِ انسانی دھکے دیتی ہے اور ضمیرِ انسانی اسکے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔ چنانچہ خود مولانا مودودی صاحب کی ضمیر بھی اُن کے نظریہ کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ آپ اپنے تحریری بیان میں جو آپنے تحقیقاتی عدالت کے روبرو پیش کیا اس میں زیرِ عنوان "قادیانی جماعت کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرزِ عمل زیر (۱) لکھتے ہیں: "بالفرض اگر کسی کے نزدیک وہ چیز حق نہیں ہے جسے میں حق سمجھتا ہوں تو وہ اپنے دلائل دے سکتا ہے مگر ایک جمہوری نظام میں کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو کہ وہ کسی معاملے میں مجھ کو ایک رائے رکھنے سے یا اپنی رائے کو معقولیت کیساتھ بیان کرنے سے یا اس کی تائید میں رائے عام کو ہموار کرنے کی جائز کوشش سے یا اپنی رائے منوانے کی آئینی تدابیر اختیار کرنے سے باز رکھے"

یہ وہ فطرتی آواز ہے جو ثابت کرتی ہے کہ مذہب و عقیدہ کی آزادی اور حریتِ ضمیر ہر شخص کا پیدائشی حق ہے اور اسلام نے جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق دین ہے ہر شخص کے لئے یہ حق تسلیم کیا ہے۔

ہر چہ بر خود نپسندی بر دیگراں ہم مپسند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی فطرتی آواز کو اپنانے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"احب للناس ما تحب لنفسك تكن مؤمنا"

یعنی تم مومن اس وقت ہو گے جبکہ تم دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے۔

پس جب تم اپنے لئے یہ پسند کرتے ہو کہ تمہیں تبلیغِ اسلام اور اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہو اور نہیں چاہتے کہ غیر مسلموں میں سے مسلمان ہونیوالے کو کوئی قتل کرے تو تم دوسروں کیلئے یہ کس طرح پسند کرتے ہو کہ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق اور اظہارِ رائے کی آزادی حاصل نہ ہو اور اگر وہ تبلیغ کا کوئی موقع پائیں اور ان کی تبلیغ سے کوئی شخص تمہارے مذہب سے نکل کر ان کے مذہب میں داخل ہو جائے تو تم بغیر اس کے کسی اور لائقِ قتل جرم کے محض تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے اس کو قتل کر دو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قرآن مجید کی جامعیت بہائی مبلغ کی شہادت

اہل بہاء کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور اس کی جگہ پہلے بابی شریعت "البیان" قائم کرنے کا ارادہ ہوا۔ پھر چند سال کے بعد اسے بھی منسوخ ٹھہرا کر جناب بہاء اللہ نے اپنی تصنیف "الاقدس" کو نئی شریعت قرار دیا ہے۔

بابیوں اور بہائیوں نے قرآنی شریعت کے نسخ کا خیال محض انتقاماً اختیار کیا ہے اور اس کے لئے انہوں نے بدشت کانفرنس میں ایک منصوبہ باندھا اور اسے نافذ کرنے کی ناکام کوشش میں البیان اور الاقدس لکھی گئی ہیں۔ خود جناب بہاء اللہ نے لکھا ہے کہ :-

"اگر اعتراض و اعراض اہل فرقان نبود
ہر آئینہ شریعتِ فرقان در این ظہور فسخ
نمی شد۔"

کہ اگر اہل اسلام باب اور بہاء کے ماننے سے اعراض نہ کرتے اور ان پر اعتراض نہ کرتے تو اس دور میں قرآنی شریعت ہرگز منسوخ نہ کی جاتی۔" (اقتدارات ص۲۴۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے منسوخ ٹھہرانے کا خیال بہائیوں نے محض مسلمانوں کے اعراض و اعتراض کی وجہ سے بطور انتقام اختیار کیا ہے۔

باوجود اس عقیدہ کے بہائیوں کو اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قرآن مجید کی شریعت ہر رنگ میں جامع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک انہیں یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اپنی مزعومہ شریعت کو طبع کر کے بھی دنیا کے سامنے رکھ سکیں۔ ہم ذیل میں بہائیوں کے مشہور مبلغ و مصنف ابوالفضل صاحب کا اقرار درج کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب الدرر البہیہ میں لکھتے ہیں :-

"وقد نزل فی وصف القرآن الشریف کما ذکرناہ سابقاً ان فیہ تبیان کل شیءٍ وقال تعالیٰ شأنہ (مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ) وقال جلّ وعلا فی سورۃ یوسف (مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) وهذه الآیات صریحة فی ان اللّٰه تعالیٰ ما ترک شیئاً یتعلق بالدیانة الالٰهیة والشریعة النبویة اصولاً وفروعاً وحجة وبرهاناً ومصدراً ومآلاً الا وفصله وبینه واظهره واعلنه فی هذا السفر المجید والکتاب العزیز الحمید حتی قیل فی وصفه انه لا تزیغ به الاهواء ولا یشبع منه العلماء ومن ترکه قصمه اللّٰه ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله اللّٰه۔" (الدرر البہیہ ص۱۳۵)

ترجمہ :- قرآن کریم کی تعریف میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تبیان کل شیءٍ نازل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما فرّطنا فی الکتاب

حتیٰ کہ ہم نے اس قرآن میں ہر چیز بیان کر دی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں ما کان حدیثاً یفتریٰ الخ فرمایا۔ ان آیات سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ دیانتِ انبیاء اور شریعتِ نبویہ کے تمام اصول، تمام فروع، ہر قسم کے حجت و برہان، ہر چیز کے مصدر اور انجام کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور اس کا کھلے بندوں اس قرآن مجید اور کتاب عزیز و حمید میں اعلان کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کہ اہوا النفس اس میں کجی پیدا نہیں کر سکتی اور علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے۔ جو شخص اس قرآن کو چھوڑتا ہے خدا اُسے ہلاک کرے گا اور جو قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہدایت طلب کرتا ہے خدا اُسے گمراہ ٹھہرائے گا"

کیا بہائی بتا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس جامعیت کے بعد کس نئی شریعت کی ضرورت ہے؟ فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون ✦

قرآن مجید دنیا میں جنگ نہیں صلح کرانے آیا ہے!

قرآن مجید کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام ہے۔ وہ صلح و آشتی کا پیغام ہے۔ قرآن مجید نے گھریلو تعلقات میں اَلصُّلْحُ خَيْرٌ کا ہی مژدہ سنایا ہے۔ اس نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے۔ اس نے تمام صلح پسند اور امن جو یا قوموں سے ہمیشہ تعلقاتِ حسنہ قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآنی تعلیمات نے مسلمانوں کی فطرت کو ایسا امن پسند بنا دیا تھا کہ انہیں وطن عزیز کو ترک کر کے ہجرت کرنا گوارا تھا۔ مگر وہ خونریزی کرنا نہ چاہتے تھے۔ چنانچہ جب کفار کے مظالم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مسلمانوں کی ہستی، اُن کی عزت و ناموس اور ان کے دین کے مٹنے اور باقی رہنے کا سوال پیدا ہو گیا اور خود رب العزۃ نے ارشاد فرمایا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ کہ اب ان مسلمانوں کو جن سے لوگ خواہ مخواہ برسرِ پیکار ہو رہے ہیں دفاعی جنگ کی اجازت دیجاتی ہے۔ اسوقت بھی مسلمان اپنی امن پسند فطرت کے ماتحت جنگ سے گریز کرنے کے حق میں تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کہ حالات کے ماتحت جنگ فرض ہو چکا ہے مگر وہ تمہارے لئے ایک ناگوار فرض کی ادائیگی ہے۔ یہ ہے قرآن مجید کی سالہا سال کی تربیت کا نتیجہ اور یہ ہے قرآنی تعلیم کی روح کیونکہ قرآن مجید دنیا میں جنگ نہیں صلح کرانے آیا ہے۔ (ابوالعطاء)

قرآن مجید کا نظریۂ مملکت

اسلامی حکومت کے آئین کی نوعیت!

قرآن مجید کے رُو سے کائنات کا ایک خالق اور مالک خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس ساری کائنات کو ایک خاص مقصد، ایک اہم غرض اور ایک بلند غائیت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کو اس کائنات پر حاکم مقرر کرکے اور کائنات کی تمام جزئیات کو اس کی خدمت کے لیے مسخر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش کی غرض وغائیت یوں ذکر فرمائی ہے۔ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الذاریات : ۵۶) کہ میں نے تمام چھوٹے بڑے انسانوں کو اسلئے پیدا کیا ہے تا وہ میری عبادت بجا لائیں۔

عبادت کا جامع مفہوم قرآنی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہوجانے کا نام ہے۔ فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ (بقرہ : ۱۳۸) کہ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ خدائی رنگ یعنی صفاتِ الٰہیہ کی مشابہت اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر کسی کا رنگ نہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ ہی حق رکھتے ہیں کہ اپنے آپ کو عبادت گزار قرار دے سکیں۔

قرآن مجید کے نظریہ کے مطابق سب انسانوں کی زندگی کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ وہ خدائی سلطنت کو اپنے اخلاق واعمال سے قائم کریں اور اپنے اندر اخلاق باری تعالیٰ کی جھلک نمایاں کریں۔ ظاہر ہے کہ روحانی مملکت کے قیام کے لیے روحانی ذرائع کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان روحانی ذریعہ ملائکہ کا وجود ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں نہ مادی دنیا میں ذرائع کا محتاج ہے اور نہ ہی روحانی عالم میں اسے کسی اور ذریعہ کی احتیاج ہے۔ وہ قادرِ مطلق خدا ہے مگر اس نے اپنی مرضی سے اس دار العمل میں یہ طریق اختیار فرمایا ہے کہ عمومی کاروبارِ دنیا ودین مقررہ ذرائع سے ہوتے ہیں۔ روحانی مملکت کے قیام کے لئے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ اور جس مقدس انسان کے آئینۂ قلب میں نورانی شعاعوں کا سمندر موجیں مار رہا ہوتا ہے وہ آسمانی انوار کا مہبط بن جاتا ہے۔ ایسا انسان خدائی مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوتا ہے اور ایک خاص مقام تک ارتقاء پذیر ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کا نام نبی رکھتا ہے۔ یہ نبی خالق اور مخلوق میں واسطہ بن جاتا ہے اس کے توسط سے الٰہی احکام بندوں تک پہنچتے ہیں اور اس کی روحانی مشعل کی روشنی میں سالک منزلِ سلوک کی راہ طے کرتے ہیں۔ نبی اپنے زمانہ میں اس زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہوتا ہے کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل کرے اور بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اس کے آستانہ پر جھکائے۔ جوں جوں لوگ اس آسمانی ندا پر لبیک کہتے جائیں گے اور قلوب میں برضا ورغبت بلا جبر واکراہ محبتِ الٰہیہ کے شعلے موجزن ہوتے جائیں گے زمین پر آسمانی مملکت کا قیام ہوتا جائے گا اور خدا کی بادشاہت زمین پر قائم ہوتی جائے گی۔ یہی وہ روحانی اور حقیقی الٰہی بادشاہت ہے جس کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دعا سکھائی اور انہیں تاکیداً فرمایا کہ وہ ہمیشہ کہتے رہیں۔

"اے ہمارے باپ! تو جو آسمان پر ہے
تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہت
آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی
ہے زمین پر بھی ہو۔" (متی ۶/۱۰-۹)

ظاہر ہے کہ یہ آسمانی بادشاہت نبی کے ذریعہ ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اسی کے وسیلہ سے دوسرے انسان راہِ حق کو پاکر خدا کی مرضی کو زمین پر عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کی متحدہ غرض آیتِ ذیل میں ذکر فرمائی ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا
أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
(النحل: ۳۶)

"کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں۔ ان کا
متفقہ پیغام یہ تھا کہ اے انسانو! ایک معبود
یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے
غیر سے بکلی مجتنب رہو۔"

درحقیقت عبادت ہی انسانیت کا طغرائے امتیاز ہے اور اسی کا قیام دینِ اسلام کا نصب العین ہے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ عبادت صفاتِ الٰہیہ سے بقدرِ طاقت متصف ہونے کا نام ہے۔ اس لئے قیامِ عبادت کے لئے ایک روحانی مملکت کا ہونا ضروری ہے۔ ایک صالح معاشرہ کا وجود لازمی ہے تا انفرادی اور اجتماعی طور پر عبادت کا قیام ہو سکے۔ قرآن مجید نے اس نصب العین کے پانے کے لئے ہدایات دی ہیں اور انسان کے سامنے طریقِ عمل پیش کیا ہے۔

قرآن مجید کائنات کا اصل مالک اللہ تعالیٰ کو جو واحد لاشریک لہٗ ہے قرار دیتا ہے۔ اس کی صفت الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ کا بار بار ذکر فرماتا ہے۔ کہ دنیا کا اصل بادشاہ وہی ہے۔ بوجہ خالق اور مالک ہونے کے اسی کو حقِ حکمرانی حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نسلِ انسانی کی مساوات کا علمبردار ہے۔ وہ ہر انسان کو اس کون و مکاں سے استفادہ کے اختیارات دیتا ہے اور تمام انسانوں کو حریتِ ضمیر اور آزادیٔ فکر عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی روح انسانی غلامی کے تصور تک کو کچل دیتی ہے۔ قرآن مجید کسی انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنا سر کسی مخلوق کے آگے جھکائے، خواہ وہ مخلوق اقتدار یا حسن و جمال کا کتنا بڑا مجسمہ کیوں نہ ہو کیونکہ یہ سب اوصاف عارضی اور مستعار ہیں۔ اصل اختیار اور اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کی مرضی سے ہی عارضی طور پر ایک حد تک یہ صفات مخلوق میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور اس تجلی کے لئے ہر انسان کو براہِ راست اپنے خالق سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شرک کی انتہائی مذمت کی ہے اور اسے بدترین جرم قرار دیا ہے اور توحید کے قیام کے لئے انبیاء کے سلسلہ کو جاری فرمایا۔

خدائے واحد کی خالقیت اور یگانہ مالکیت ایک طرف ہے اور انسانوں کی مساوات اور سرفرازی کا اصول دوسری طرف۔ ان دونوں اصولوں کی تطبیق میں انسانوں کے مجمع کے قیام، ان میں نظم و نسق کی حفاظت اور ان میں روحانیت کے شعلے روشن کرنے کے لئے مملکت کی بنیاد رکھی ہے۔ اس قسم کی روحانی مملکت کا قیام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ نبی کے دعویٰ پر ابتداء میں لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر زیادہ دیر نہیں ہوتی کہ خدا کا نور دلوں میں گھر کرنے لگتا ہے اور لوگ اس کے گرویدہ ہوتے جاتے ہیں اور ایک جماعت نئے نظام اور نئی روح کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے۔ اس جماعت کا قیام کفر کی آنکھ میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ کفر کے حامی مسلم جماعت کے مٹانے اور اس کے شیرازہ کو درہم برہم کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں، وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ اسلام اور کفر میں ایک عرصہ تک جنگ جاری رہتی ہے آخرکار کفر مغلوب ہو جاتا ہے اور مسلم جماعت کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار

دیدی جاتی ہے۔ اس وقت مادی آنکھوں کو بھی نظر آ جاتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی ہے اور مسلم معاشرہ کی بنیادیں استوار ہو چکی ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے سالہا سال تک کفار کے مظالم برداشت کئے اپنے وطن عزیز سے ہجرت کی لیکن طاغوتی طاقتیں مطمئن نہ ہوئیں۔ کفار نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج: ۲۹) اب ان مظلوم مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی دفاعی جنگ کریں۔ چنانچہ کئی برس تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور آخرکار خدائی پیشگوئیوں کے مطابق اسلام غالب ہوا اور مسلمانوں کی سلطنت قائم ہو گئی اور اسلامی مملکت بن گئی۔

قرآن مجید جو اسلامی مملکت کا بالذات دستور و آئین ہے وہ آغازِ نبوت سے ہی مکہ میں تدریجاً نازل ہو رہا تھا اور اس کی حفاظت کی جا رہی تھی۔ مدنی زندگی میں بھی یہ سلسلہ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ) کہ اب میں نے قرآن مجید کے ذریعہ تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین منتخب کر لیا ہے۔ اس اعلان سے قرآنی مملکت کا قصر مکمل ہو گیا اور اس کے آئین کی تکمیل ہو چکی۔

مندرجہ بالا بیان سے عیاں ہے کہ اصل اسلامی مملکت روحانی چیز ہے اور اس کا اصل مدعا قلوب میں انابت پیدا کرنا ہے۔ دلوں پر حکمرانی کے نتیجہ میں اعضاء اور جوارح پر خود بخود نور کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ الٰہی حکومت کا زمین پر سب سے پہلا نمائندہ نبی ہوتا ہے۔ اسے اس مملکت کا بانی یا مؤسس کہا جا سکتا ہے۔ نبی کا ظاہری طور پر بادشاہ ہونا ضروری نہیں۔ صدہا انبیاء ایسے گذرے ہیں جن کی زندگی میں ان کو ظاہری سلطنت نہیں ملی مگر نبی کی حکومت دلوں پر ہوتی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نبی اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہر طرح سے مطاع ہوتا ہے۔ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۳) اس کے احکام کی تعمیل فرض ہوتی ہے۔ وہ انسان جو اس کے گرد جمع ہوتے ہیں جنہوں نے اس پر خدا کے انعامات بارش کی طرح اترتے دیکھے ہیں وہ اس کی والہانہ اطاعت کرتے ہیں اور ان کے لئے اسکی اطاعت سے سرِمو انحراف کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کی اطاعت عاشقانہ ہوتی ہے۔

نبی کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ فرمایا۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) کہ جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

یہ روحانی مملکت ہے جسے قرآن مجید نے مقصود بالذات قرار دیا ہے۔ نبی کی وفات کے بعد یہ روحانی مملکت اپنی ظاہری تنظیم اور شان و شوکت کے ساتھ خلفاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اپنے اپنے مدارج روحانیہ کے مطابق اس باغ کی حفاظت و آبیاری کرتے ہیں۔ پھر جب قوم میں بُعد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نبی کی روحانی شعاعوں سے دور چلے جاتے ہیں اور ان کے دل بے نور سے ہو جاتے ہیں تب اس مملکت کی ہیئت بدل جاتی ہے اور اسے نئی شکل حاصل ہوتی ہے جو عام حکومت کہلاتی ہے۔ یہ عام حکومتیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی۔ قرآن مجید عالمگیر شریعت ہے اسلئے اس نے اس عام حکومت کے لئے بھی اصول مقرر فرمائے ہیں اور نظام پیش کیا ہے۔ یہ اصول اور یہ نظام اسی رسالہ میں ایک دوسرے مضمون میں مذکور ہے +

اسلام دُنیا میں کامل مذہبی آزادی کا علمبردار ہے

تمام مذاہب کے پیرؤوں کے لئے مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کی ضمانت

(از جناب مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی بی۔اے نائب ایڈیٹر الفرقان)

عیسائی پادری کُھلے بندوں اسلام کو جبر و اکراہ، ظلم و تشدد اور وحشت و بربریت کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اس ناواجب پراپیگنڈے کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے ہزاروں ہزار کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں اور برابر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ معاند قسم کے مستشرقین اس بارے میں کلی طور پر ان کے ہمنوا ہیں اور انہوں نے بھی اپنا سارا زورِ قلم اسلام کو ظلم و تشدد کا مذہب ثابت کرنے میں ہی صرف کیا ہے۔ لے دے کے وہ مستشرقین جو اپنے آپ کو غیر جانبدار ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی تعلیم کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس بات پر انہوں نے بھی کچھ کم زور نہیں دیا ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی یکسر مفقود ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی تو اجازت دیتا ہے لیکن انہیں تبلیغ و اشاعت کے ذریعے اپنی تعداد میں اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کا کہنا ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد از راہِ ترحم اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دینا زیادہ سے زیادہ ایک رعایت کہلا سکتا ہے برخلاف اس کے مذہبی آزادی جس کے تحت اپنے عقیدے کی اشاعت کر کے دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔ انسانی حقوق میں سے ایک نہایت اہم حق ہے سو گویا کسی کو مذہبی آزادی کے بنیادی حق سے محروم کرنے کے بعد رعایت کے طور پر صرف اپنے عقیدے پر قائم رہنے یا رہ سکنے کی اجازت دینا کوئی قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے۔[1]

جس طرح اسلام پر یہ ایک بہتانِ عظیم ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور یہ کہ وہ ظلم و تشدد کا مذہب ہے اسی طرح یہ الزام بھی کہ وہ انسانوں کو مذہبی آزادی کے بنیادی حق سے محروم کرتا ہے ظلمِ عظیم سے کم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام یکسر صلح و آشتی کا مذہب ہونے کے باعث انسانوں کے اس حق کا بھی پورا احترام کرتا ہے۔ خود قرآن مجید کی بے مثل تعلیم اس حقیقت پر گواہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ایسے تمام غیر منصفانہ رجحانات کا استیصال کیا ہے جو مذہبی آزادی کی راہ میں حائل ہو کر ظلم و تعدی کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اسلام نے دُنیا میں ایسے حالات پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے جن میں ہر شخص کو اپنی پسند کا عقیدہ اختیار کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور تبلیغ و اشاعت کے ذریعے دوسروں کو اپنا ہم خیال

[1] حوالے کے لئے دیکھیں کتاب "The Bridge to Islam" مصنفہ ای۔ ڈبلیو بیتھ من صفحہ ۸۹

بنانے کی پوری آزادی حاصل رہے۔ ذیل میں ہم مذہبی آزادی کے بنیادی حق کے متعلق قرآن مجید کی بے مثل تعلیم پیش کریں گے۔ تا یہ امر ظاہر ہو سکے کہ بعض مستشرقین نے اسلام جیسے صلح و آشتی کے مذہب پر مذہبی آزادی کے فقدان کا الزام لگانے میں کس قدر دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔

سب سے پہلے ہم اُن رجحانات کو لیتے ہیں جو مذہبی آزادی کی راہ میں حائل ہو کر انسانی ضمیر پر قدغن لگاتے اور اس طرح ظلم و تعدی کا دروازہ کھولتے ہیں۔ وہ رجحانات یا عوامل یہ ہیں :۔

اوّل کسی کو کوئی مخصوص عقیدہ چھوڑنے یا اپنی پسند کا کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کرنے پر مجبور کرنا۔

دوم۔ مذہب کے معاملے میں جو حقوق اپنے لئے مخصوص کئے جائیں دوسرے مذاہب والوں کو اُن سے محروم رکھا جائے۔

یعنی جبر اور مذہبی حقوق میں عدم مساوات وہ بنیادی عوامل ہیں جن سے انسانوں کی مذہبی آزادی یکسر ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس طرح انسان نہ اپنی مرضی سے کوئی عقیدہ چھوڑ سکتا ہے اور نہ اپنی روحانی تشنگی دور کرنے کے لئے کوئی نیا عقیدہ اختیار کر سکتا ہے۔

مذہبی آزادی کے متعلق بنیادی تعلیم

قرآن مجید نے اس ضمن میں جبر کے استیصال اور مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کی تعلیم دی ہے۔ اس کے نزدیک قبولِ حق کا راستہ خواہ وہ مختلف انسانوں کے نزدیک مختلف ہی کیوں نہ ہو سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا ضروری ہے اسی طرح اس کے نزدیک حق کی طرف دعوت دینے اور دوسروں کو راستہ دکھانے کا حق بھی تمام انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔ جہاں تک جبر کے استیصال کا تعلق ہے قرآن مجید صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے :۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ آیت ۲۵۷)

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔

یعنی دین کے معاملے میں ہر شخص پوری طرح آزاد ہے وہ جو دین بھی چاہے ترک یا اختیار کر سکتا ہے۔ اس بارے میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے ضمیر پر قدغن لگانے کی مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ذیل کا اعلان کرا کے سب کے لئے دینی حقوق میں مکمل مساوات کی ضمانت دی ہے :۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ٥ (الکافرون)

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین

یعنی جس طرح ہمارے لئے ہمارا دین ہے اسی طرح تمہارے لئے تمہارا دین ہے۔ جس طرح اپنے دین پر قائم رہنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور اُسے پھیلانے کا ہمیں حق ہے اسی طرح تمہیں بھی حق ہے کہ تم اپنے دین پر قائم رہو، اس پر عمل کرو اور دوسروں کو اپنا ہم خیال بناؤ۔ اگر اسلام دینی حقوق میں مساوات کا قائل نہ ہوتا تو وہ لکم دینکم ولی دین کہہ کر اسلام اور دوسرے مذاہب کو بحیثیت ادیان کے اس طرح ایک لیول پر تسلیم نہ کرتا۔

یہاں اس امر کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں تبلیغ کی نفی نہیں کی گئی ہے کہ لوگ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں اور ایک دوسرے کو اپنے مذہب کی طرف دعوت نہ دیں۔ اس قسم کا اعلان تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے مشن کے خلاف تھا۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ تلقین کی جا رہی تھی کہ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ آپؐ کی زبان سے یہ کیسے کہلوا سکتا تھا کہ لوگو! تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے اسلئے دونوں ایک دوسرے کو اپنے اپنے دین کی طرف دعوت نہ

دیں۔ لکم دینکم ولی دین کہنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ جس طرح مسلمانوں کا دین مسلمانوں کے لئے ہے اسی طرح کفار کا دین کفار کے لئے ہے۔ اپنے دین پر قائم رہنے اور اسے پھیلانے کے بارے میں جو حقوق ایک کو حاصل ہیں وہی دوسرے کو حاصل ہوں گے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے دین کو پھیلانے کی کوشش کریں تا قبولِ حق کا راستہ سب کے لئے یکساں کھلا رہے۔ اس طرح صداقت دُنیا پر خود بخود غالب آ جائے گی۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات جن میں مذہب سے متعلق استیصالِ جبر اور مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کی بنیادی تعلیم دی گئی ہے مذہبی آزادی کے حق میں ایک بنیادی چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جہاں جبر کا استیصال تبدیلیٔ عقیدہ کی آزادی پر دلالت کرتا ہے وہاں مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کا اعلان اپنے اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں کو تبلیغ کے ذریعے اپنا ہم خیال بنانے کی مکمل آزادی کا ضامن ہے۔ اپنی روحانی تشنگی دُور کرنے کے لئے بلا روک ٹوک کوئی عقیدہ اختیار کر سکنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور پھر اس صداقت کو کھلے بندوں دوسروں تک پہنچا سکنے کا نام ہی مذہبی آزادی ہے۔ سو اسلام ہی وہ دینِ فطرت ہے کہ جس نے دُنیا کو اس آزادی سے روشناس اور انسانی ضمیر کو قسم قسم کی بندشوں سے آزاد کرایا ہے۔

مذہبی آزادی کے متعلق اسلام کی بنیادی تعلیم بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کی تفصیلات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کیونکہ اسلام نے استیصالِ جبر اور مذہبی حقوق میں مساوات کی عام تلقین پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس بارے میں ایسی تفصیلی تعلیم دی ہے اور نئے نئے طریقوں سے ایسی حکمت کے ساتھ اس کا بار بار اعادہ کیا ہے کہ اسلام کا ایک سچا پیرو دین کے معاملے میں جبر اور مذہبی حقوق میں عدم مساوات کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔

.. ..

جبر کی نفی اور اسکے متعلق تاکیدی احکامات

چنانچہ استیصالِ جبر کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اس امر کی تاکید فرماتا ہے کہ اے ہمارے رسول! تیرا کام صرف اور صرف لوگوں تک پیغامِ حق کو پہنچا دینا ہے وہ مانیں یا نہ مانیں اس سے تجھ کو کوئی سروکار نہیں۔ کبھی فرماتا ہے دیکھو ہم نے تم کو لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں کیا کہ تم ان کو ایمان لانے پر مجبور کرو۔ کبھی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلواتا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں میرا کام اس کے پیغام کھول کھول کر بیان کر دینا ہے۔ کبھی اپنے رسول سے کہتا ہے۔ دیکھو اگر ہم چاہتے تو دُنیا میں ایک بھی مشرک نہ رہتا اور سب کے سب یکدم ایمان لا کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاتے لیکن ہم ان کے ضمیروں پر کوئی قدغن لگانا نہیں چاہتے ہم نے حق کو پرکھنے اور خوب اچھی طرح پرکھ کر اسے قبول کرنے میں لوگوں کو آزاد رکھا ہے۔ اس قسم کی آیات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں جبر سے کام لینا چاہتے تھے یا اس کا کوئی امکان تھا۔ ایسی آیات کے ذریعہ جہاں لوگوں کی شقی القلبی اور حق سے بے رغبتی پر اپنے رسول کو تسلی دینی مقصود تھی وہاں آپؐ پر ایمان لانے والوں اور بعد میں آنے والوں پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ جب ہم نے اپنے رسولؐ کو جبر کی اجازت نہیں دی تو پھر تم لوگوں سے حق کو منوانے میں جبر سے کام لینے کا خیال بھی کیونکر دل میں لا سکتے ہو۔ یہ ایک نہایت ہی حکیمانہ احتیاط تھی جو اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمائی۔ ہم ایسی تمام آیات کو ایک خاص ترتیب سے ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

(ا) پہلے وہ آیات درج کی جاتی ہیں جن میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ رسول

کی حیثیت میں آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور یہ کہ آپ کو لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ۔ (الغاشیہ آیت ۲۱، ۲۲)

"پس آپ نصیحت کیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر ہرگز کوئی داروغہ نہیں ہیں۔"

(۲) وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۔

(آل عمران آیت ۲۰)

"اور اُن لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی ہے اور اُن لوگوں کو جو اَن پڑھ ہیں کہہ دیجئے کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پس اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو یقیناً ہدایت پا گئے اور اگر انہوں نے مُنہ پھیر لیا تو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔"

(۳) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ○ (قٓ آیت ۴۵)

"ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اور آپ ان پر ہرگز جبر کرنے والے نہیں ہیں۔ پس جو ہمارے وعدہ عذاب سے ڈرتا ہے اُسے قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیے۔"

(۴) فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ (سورہ نحل آیت ۸۲)

"پھر اگر وہ نہ مانیں تو آپ پر تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔"

(۵) وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد آیت ۴۰)

"اور اگر ہم آپ کو دکھائیں بعض وہ جن کا ہم وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دیں آپ کا کام ہر حالت میں پہنچا دینا ہے۔ اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔"

(۶) فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ

(شوریٰ آیت ۴۸)

"اگر وہ مُنہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو اُن پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ پر نہیں ہے اسکے سوا کچھ بھی کہ آپ واضح طور پر پہنچا دیں۔"

(۷) وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ○ (انعام آیت ۱۰۷)

"اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی محافظ نہیں بنایا اور نہیں ہیں آپ ہرگز ان پر کوئی داروغہ۔"

(۸) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (یونس آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

"اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کرینگے کہ وہ ضرور ہی ایمان لے آئیں حالانکہ کسی کیلئے یہ مقدر نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے سوا ایمان لائے۔ وہ ان لوگوں پر ہی کفر کی پلیدی ڈالتا ہے جو عقل نہیں کرتے۔"

(ب) وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میرا کام صرف پہنچا دینا ہے اور حق کو منوانے کے سلسلہ میں اس سے زیادہ مجھ پر اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

(۱) قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ٥ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ٥ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ٥ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ

(جن آیت ۲۰ تا ۲۳)

"آپ کہہ دیجئے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میں پکارتا ہوں اپنے رب کو اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بناتا۔ آپ یہ بھی کہہ دیں کہ یقیناً میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ نیز کہہ دیں یقیناً اللہ کے مقابل میں کوئی بھی مجھے پناہ نہیں دے گا اور اس کے سوا میں کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا۔ میرا تمام تر کام ہی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے لوگوں کو اس کے پیغام پہنچا دوں۔"

(۲) قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ٥ (انعام آیت ۱۰۴)

"تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیلیں آئی ہیں سو جس نے دیکھا تو اپنے ہی نفس کے لئے اور جو اندھا ہوا اس کا وبال اسی پر ہے۔ اور میں ہرگز تم پر محافظ نہیں ہوں۔"

(ج) وہ آیات جن میں اللہ تعالےٰ نے بندوں کو مخاطب کر کے پھر اسی بات کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارے رسول کا کام صرف تم تک ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے۔

(۱) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ٥

(تغابن آیت ۱۲)

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم پھر جاؤ تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کا اس کے سوا اور کوئی ذمہ نہیں ہے کہ وہ کھول کھول کر تم تک ہماری بات کو پہنچا دے۔"

(۲) اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ٥

(نور آیت ۵۵)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم پھر جاؤ تو اس پر صرف اپنے فرض کی ذمہ داری ہے اور تمہارے اپنے فرض کا بوجھ تم پر ہے۔ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور ہمارے رسول پر تو واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کسی بات کی ذمہ داری نہیں ہے۔"

(۳) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۞

(المائدہ آیت ۹۳)

"اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم پھر گئے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہمارے پیغام کو کھول کر بیان کر دے۔"

قرآن کریم کی ان آیات پر یکجائی نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین کے معاملے میں اسلام جبر کا کس قدر مخالف ہے۔ وہ قبولِ حق کا راستہ سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رکھنا چاہتا ہے اور یہ امر اُسے کسی طرح بھی گوارا نہیں ہے کہ کسی دین کو قبول کرنے یا رد کرنے کے بارے میں انسانی ضمیر پر کوئی قدغن لگائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اسلام کی اشاعت میں جبر سے روکنے کے لئے مختلف اسلوب اختیار کئے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ اے رسولؐ! تیرا کام حق کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد خود رسولؐ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میرا کام تم کو صحیح راستہ بتا دینا ہے۔ میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں کہ تمہیں حق قبول کرنے پر مجبور کروں۔ اپنے رسولؐ کو بتانے اور خود اس کی زبان سے کہلوانے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ نے خود بندوں کو بھی مخاطب کیا ہے اور کہا ہے کہ اے میرے بندو! میرے رسولؐ کا ذمہ پیغامِ حق پہنچا دینے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ قبول کرنے یا نہ کرنے کے تم خود ذمہ دار ہو۔ اس کا حساب ہم اپنے رسول سے نہیں بلکہ تم سے لیں گے۔ غور کا مقام ہے کہ استیصالِ جبر کی اس سے زیادہ اور کیا تلقین ہو سکتی ہے۔

اب رہا عیسائی پادریوں کا یہ الزام کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگیں لڑیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ سو اس کے جواب میں ہم خود اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے بلکہ خود ایک عیسائی مصنف کی کتاب "World Faith" سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے اس الزام کی حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ اور یہ امر بھی آشکارا ہو جائے گا کہ پادری صاحبان نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جان بوجھ کر اصل حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مسٹر کرنسٹن (Mr. Cranston) اپنی مذکورہ بالا کتاب کے ص۱۵۵ پر مذہبی آزادی کے متعلق اسلامی تعلیم کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"Mohammad never instigated fighting and bloodshed. Every battle that he fought was a rebuttal. He fought in order to survive."

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود کبھی جنگ اور خونریزی کا کوئی موقع بہم نہیں پہنچایا۔ ہر جنگ جو آپ کو لڑنا پڑی وہ دفاع اور جواب کے طور پر تھی۔ آپ لڑنے پر مجبور ہوئے تو محض اس لئے کہ زندہ رہ سکیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کبھی جنگ کا قصد نہیں کیا بلکہ مخالفین نے عرصۂ حیات تنگ کر کے آپ کو لڑنے پر مجبور کیا۔ اور اگر آپؐ دفاع کیلئے میدان میں نہ نکلتے تو کفارِ مکہ آپؐ کو اور آپؐ کے مشن کو نابود کر کے رکھ دیتے۔ ایسی حالت میں بھی آپ پر عیسائی پادریوں کا یہ الزام لگانا کہ آپؐ نے جنگ کا دروازہ کھول کر اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلایا انتہا درجے کی ہٹ دھرمی اور ظلم پر دلالت کرتا ہے۔ جب آپؐ وعظ کرنے اور لوگوں تک پیغامِ حق پہنچانے میں کسی قسم کے جبر کے روادار نہ تھے تو آپ تلوار کی مدد سے لوگوں کو قبولِ حق پر مجبور کرنے کا دل میں خیال بھی کیسے لا سکتے تھے؟

مذہبی حقوق میں مساوات کی ضمانت

اب ہم اس امر کو لیتے ہیں کہ اسلام نے استیصالِ جبر کے ذریعہ اُن عوامل کا قلع قمع کرنے کے بعد جو مذہبی آزادی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں تمام انسانوں کے لئے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیرو کیوں نہ ہوں مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کا اعلان کیا ہے۔ مذہبی حقوق یہی ہیں کہ انسان جس دین کو بھی اپنے لئے پسند کرے اس پر عمل کرنے اور پھر دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی اسے پوری آزادی حاصل ہو۔ جہاں تک اپنے مخصوص مسلک پر عمل پیرا ہونے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے پیروؤں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ جب تک دل سے اسلام کی صداقت کے قائل نہ ہوں اپنے مخصوص مسلک کے مطابق عبادت کریں اور ایک دوسرے کو مجبور کریں کہ وہ قائل ہوئے بغیر کسی دوسرے کے طریقِ عبادت کو اختیار کریں۔ اسی طرح وہ دوسرے مذاہب والوں سے بھی یہی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے طریقِ عبادت پر اعتراض نہ کریں اور انہیں اپنے طریق اور مسلک کے مطابق خدا کی عبادت کرنے دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ

(الحج آیت ۶۸)

" ہر ایک اُمت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتے ہیں پس دوسروں کو چاہیئے کہ وہ اس بارے میں آپ سے جھگڑا نہ کریں۔ (یعنی جس طرح وہ اپنے طریقِ عبادت پر قائم ہیں مسلمانوں کو بھی اپنے طریقِ عبادت پر قائم رہنے دیں اور اس بارے میں بھی کسی قسم کے جبر سے کام نہ لیں۔)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ الگ الگ طبائع اور سمجھ کے مطابق علیحدہ علیحدہ طریقِ عبادت اختیار کرنے کی آزادی ہم نے خود دی ہے کیونکہ ہم انہیں اس بارے میں مجبور کرنا نہیں چاہتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم سب کو بجبر ایک اُمت بنا دیتے اور سارے کے سارے لوگ ایک ہی دین پر قائم ہو کر ایک ہی طریق پر ہماری عبادت کرتے۔ فرماتا ہے :-

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدہ آیت ۴۹)

" تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ پس نیک کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو (یعنی جبر و تشدد اور فتنہ و شرارت کی راہ اختیار نہ کرو)"

مذہبی حقوق میں سے اب صرف ایک امر رہ جاتا ہے اور وہ ہے اپنے اپنے مسلک کو پھیلانے اور دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی اجازت، سو جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس بارے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اگر مختلف مذاہب والے اپنے مذہب کو دینِ حق سمجھتے ہیں تو یقیناً انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے دین کو پھیلائیں اور جو لوگ بلا جبر و اکراہ اس کے قائل ہو جائیں بے شک انہیں اپنے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کریں۔ وہ اس حق کو صرف مسلمانوں کیلئے ہی مخصوص نہیں کرتا بلکہ تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ جس طرح اسلام کو پھیلانے میں مسلمان کوشاں ہیں تم بھی اپنے دین کی صداقت کے دلائل پیش کرو۔ لڑنے جھگڑنے اور جبر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید بار بار مشرکین کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر تم حق پر ہو تو پھر اپنے دلائل پیش کرو۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ صداقت کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ انسان اسے پھیلائے اور جو اپنے دین کو نہیں پھیلاتا وہ خود اپنے عمل سے اِس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اپنے مسلک کو حق تصور نہیں کرتا۔ چنانچہ اسلام ان مخالفین سے جو اسلام کو قوت کے زور سے مٹا دینا چاہتے ہیں کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دلائل لوگوں کے سامنے پیش کرو تا تحقیق اور قبولِ حق کا راستہ کھلا رہے۔ اِس آیت اور اس قسم کی تمام دوسری آیات سے جو قرآن مجید میں بارہا بیان ہوئی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے اپنے مسلک اور طریق کے مطابق خدا کی عبادت کرنے ہی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ اس امر کی بھی اجازت دیتا ہے کہ لوگ جس مسلک پر قائم ہوں وہ اگر چاہیں تو اسے دوسروں تک پہنچانے کی بھی جد و جہد کریں۔ یہی چیز مذہبی حقوق میں مکمل مساوات کی ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دُنیا میں رواداری اور مذہبی آزادی کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ دُنیا آج تک اس پر حیرت زدہ ہے۔ آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں سے جو معاہدات کئے وہ اس حقیقت پر زندہ گواہ ہیں کہ آپ مذہبی معاملات میں محض رواداری ہی کے قائل نہیں تھے بلکہ کامل مذہبی آزادی کے علمبردار تھے ہجرت کے نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں لکھتے ہیں :۔

"The Prophet, we are told, wrote to the bishops, priests, and monks, saying that every thing great and small should continue as it then stood, in their churches, their services, and their monasteries. The pledge of God and His Prophet was given that no bishop should be removed from his bishopric, nor any monk from his monastery, nor any priest from his priesthood; that their authority and rights should not be altered, nor anything that was customary among them. So long as they conducted themselves peaceably and uprightly, they would not be burdened with oppression; neither should they oppress." (Page 158—New Edition)

"بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشپوں، پادریوں اور راہبوں کو لکھا کہ ان کے گرجوں، مذہبی اجتماعوں اور

عبادت گاہوں میں ہر چھوٹے سے چھوٹا
اور بڑے سے بڑا امر جیسا کہ وہ فی الحقیقت
مروج ہے اسی طرح جاری دکھا جائے گا۔
خدا اور اس کے رسول کا یہ وعدہ انہیں
دیا گیا کہ کسی بشپ پادری یا راہب کو اسکے
عہدے سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اور
یہ کہ ان کے اختیارات اور حقوق پر کوئی
تبدیلی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے کسی
رواج کو بدلا جائے گا۔ جب تک وہ امن
اور سلامت روی کے طریق پر قائم رہیں گے
ان پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر
کوئی بوجھ ڈالا جائے گا اور نہ ہی وہ خود کسی
قسم کی سختی پہ اتریں "

ان کے حقوق، اختیارات اور مروجہ امور میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرنے کا وعدہ اس بات پر دال ہے کہ جو حقوق انہیں پہلے سے حاصل تھے انہیں بحال رکھنے کی ضمانت دی گئی تھی۔ یقیناً ان حقوق میں اپنے مذہب پر قائم رہنے، اپنے طریق عبادت کو بجا لانے اور اپنے مسلک کو پھیلانے کی اجازت شامل تھی۔ ان حقوق کے بارے میں بجز امن پسندی اور سلامت روی کی شرط کے اور کوئی شرط عائد نہیں کی گئی۔ آجکل کی ترقی یافتہ دنیا جسے اپنے تہذیبی عروج پہ بےحد ناز ہے جب ان معاہدات کو پڑھتی ہے تو ششدر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ مسٹر کرنسٹی اپنی کتاب World Faith میں ان معاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"Has any conquering race or faith given to its subject nationalities a better guarantee than is to be found in these words of the Prophet? One sentence in particular stands out. Mohammad's aversion to images and to "idolatrous" symbols, as he considered them was a dominating passion of his life; yet he commanded that no image or cross of the Christians should be destroyed. He strongly disapproved of priesthoods and ecclesiastical hierarchies, yet he decreed that no bishop and no priest should be removed."

(Page 157)

"کیا دنیا میں کسی فاتح قوم یا مذہب نے اپنی مفتوح قوموں کو اس سے بڑھ کر تحفظات کی ضمانت دی ہے جو ہادی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان الفاظ میں (مراد ان معاہدوں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے کئے) موجود ہے؟ ان معاہدات کا ایک فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ بتوں اور مشرکانہ نشانوں سے نفرت کا جذبہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں

سب جذبوں پر غالب تھا۔ اس کے باوجود آپ نے حکم دیا عیسائیوں کا کوئی مجسمہ یا صلیب تباہ نہ کی جائے۔ آپ پاپائیت اور اسکے تنظیمی تقدس کے شدت سے مخالف تھے۔ تاہم آپ نے ہدایت فرمائی کہ کسی اسقف اور پادری کو اس کے عہدے سے نہ ہٹایا جائے۔"

اس کے بعد مسٹر کرنسٹن اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ ایسی بے نظیر تعلیم کسی اور مذہب میں تلاش کرنی بے سود ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"It would be hard to find a more tolerant and truely and brotherly statement in the teachings of any religion." (Page 158)

"دنیا کے کسی مذہب میں اس سے زیادہ رواداریانہ اور حقیقی طور پر برادرانہ تعلیم تلاش کرنا مشکل ہے۔"

مسٹر کرنسٹن نے اسی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کو مذہبی آزادی اور دیگر حقوقِ انسانی کا جو درس دیا اور اس پر عمل کر کے دکھایا دیگر مذاہب کی تعلیمات تو الگ رہیں آجکل کی متمدن اور انتہائی طور پر ترقی یافتہ دنیا بھی انہیں پورے طور پر تسلیم نہیں کر سکی ہے۔ اور اگر اب آکر اس نے یہ حقوق تسلیم کئے بھی ہیں تو اس کے لئے یہ امر کسی فخر کا موجب نہیں بن سکتا کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہلے ہی اس بارے میں اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"Thirteen hundred years before the Atlantic Charter incorporated freedom of religion and freedom from fear, Mohammed made treaties with the Jewish and Christian tribes he had conquered and gave them freedom of religious worship and local self government. In many muslim invaded countries there has been conspicuously fair and just treatment of the non-muslim populations"

"اٹلانٹک چارٹر میں مذہبی آزادی اور دہشت و ہراس سے نجات کو انسانی حقوق میں آج شامل کیا گیا ہے لیکن اٹلانٹک چارٹر سے بھی تیرہ سو سال پیشتر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودی اور عیسائی قبیلوں سے ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد جو معاہدات کئے ان میں مذہبی عبادات کی آزادی اور مقامی لحاظ سے ان کی خود مختاری کو تسلیم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں غیر مسلم آبادی کیساتھ واضح طور پر اچھا اور منصفانہ سلوک روا رکھا جاتا رہا۔" (ص ۱۵۷)

مسٹر کرنسٹن کی تصنیف "ورلڈ فیتھ" کے مذکورہ بالا اقتباسات امرِ حقیقت پر زندہ گواہ ہیں کہ ان مستشرقین کو جنہوں نے ہر قسم کے

[illegible] کے لئے کھلا رکھنے کی شرط کیا

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور پُر حکمت کلام کا ایک نمونہ

از قلم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ○ (اعراف ع۳)

زبان عربی میں فصاحت و بلاغت دو علیحدہ علیحدہ لفظ ہیں جو دو قسم کے مختلف معانی پر اطلاق پاتے ہیں۔ فصاحت کا تعلق حسن الفاظ کے ساتھ ہے جس سے کلام میں سلاست و شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ اور بلاغت کا تعلق معانی کے ساتھ ہے۔ یعنی واقعہ کی تصویر پوری صحت کے ساتھ نمایاں کرنا یا نفس مضمون کو کماحقہ ادا کرنا بلاغت کہلاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور اس کے پُر معانی کلام کا نمونہ دکھانے کی غرض سے منتخب کیا گیا ہے۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

"اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے نزدیک تم اپنی زینت لو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ نہ بڑھو کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔"

"الفرقان" میں اسی موضوع پر میرے چند مضامین شائع ہو چکے ہیں جن میں سیاقِ کلام کی اہمیت کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ اس تعلق میں ایک نئی بات پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور آیات کا ایک تاریخی پس منظر ہوتا ہے اور اس تاریخی پس منظر میں چار باتیں مدنظر رکھنے کے قابل ہیں۔

سیاقِ کلام کی نوعیت و اہمیت

اوّل:۔ وہ تاریخ جو کہ مذاہب عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ خصوصاً عہد قدیم کے نوشتے اور زمانہ ماضی میں انسانی خیالات نے جو مختلف پہلو بدلے ہیں جب تک یہ مخصوص تاریخ پیش نظر نہ ہو قرآن مجید کی آیات کی عظمت پس پردہ رہتی ہے۔

دوسری: وہ تاریخ جس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور عربوں کے ساتھ ہے۔

تیسری قسم کی تاریخ وہ ہے جس کا تعلق آئندہ زمانہ کے ساتھ ہے۔ اس میں جہاں انسانی خیالات کے نئے نئے رجحانات اور میلانات اور ان میں تبدیلیاں شامل ہیں وہاں قرآن مجید کی وہ پیشگوئیاں بھی ہیں جن کا تعلق آنے والے زمانوں کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ انسان کی اپنی فطرت اور قوانین قدرت کی ایک لمبی تاریخ ہے جس کا قرآن مجید کے معانی کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ یہ چار قسم کے تاریخی پس منظر ہیں جن کو اگر قرآن مجید کی آیات پر تدبر کرتے وقت ملحوظ رکھا جائے تو نہ صرف اس کی فصاحت و بلاغت اور پُر حکمت کلام ہی بلکہ اللہ تعالےٰ کا علم اور اس کی قدرت بھی پوری وضاحت سے نمایاں

ہو جاتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں مذکورہ بالا آیت کے مفہوم کو پیش کرتا ہوں۔ اس آیت میں قابلِ تشریح الفاظ زینت، مسجد اور اسراف ہیں۔ لفظ زینت کا تعلق حسن کے ساتھ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے حسن کی تعریف یہ ہے کہ کسی شے کے مختلف اجزاء کے درمیان صحیح تناسب قائم ہو۔ ہر ایک انسان کا چہرہ بھی خوبصورت کہلائے گا جب چہرے کے مختلف اعضاء اور ان کے خط و خال میں مناسبت دکھائی دے۔ اگر آنکھیں خوبصورت ہیں لیکن ناک بہت موٹی اور لمبی ہے یا ہونٹ موٹے اور دانت بڑے بڑے ہیں یا سر چھوٹا ہو اور کان لمبے ہیں تو یہ عدم تناسب آنکھوں کی خوبصورتی کو بھی داغدار بنا دے گا۔ لیکن اگر ان تمام اعضاء میں مناسبت ہو تو انسان کا چہرہ خوبصورت کہلائے گا۔

زینت سے مراد وہ لوازمات ہیں جن سے انسان کے حسن میں ایک دلربا شان پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں زمین کی زینت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حَتّٰی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ یعنی "جب زمین نے اپنا بناؤ سنگھار حاصل کر لیا اور اس کی زینت نمایاں ہوئی"۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ زینت وہ باتیں ہیں کہ جن سے حسن کی نمائش زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ عورتیں عام طور پر جب بناؤ سنگھار کرتی ہیں تو آنکھوں میں کاجل لگاتی ہیں۔ چہرے پر پوڈر استعمال کرتی ہیں۔ بالوں کو سنوارتی اور خوبصورت کپڑے پہنتی ہیں تو ایک بھونڈی شکل کی عورت میں بھی اس زینت کی وجہ سے خوبصورتی کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسرا قابلِ تشریح لفظ مسجد ہے جس کے معنی وہ جگہ ہیں جہاں سجدہ کیا جائے یا وہ وقت جو سجدہ کرنے کا ہو۔ اور لفظ اسراف کے معنی حد سے بڑھنا یعنی تناسب کو قائم نہ رکھنا۔

ان الفاظ کی مذکورہ بالا تشریح کو مدنظر رکھیں۔ اور قرآن مجید کی اس آیت کی فصاحت و بلاغت اور پرحکمت معانی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

آیت کا لفظی ترجمہ جو اوپر کیا گیا ہے اس سے بظاہر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تم مسجدوں کے نزدیک جا کر اپنی زینت اختیار کرو۔ لیکن یہ خیال درست نہیں اور نہ کبھی اس پر عمل کیا گیا ہے۔ آپ نے یہ کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ لوگ نمازوں کے وقت مسجدوں کے قریب جا کر خوبصورت لباس پہن کر اور بناؤ سنگھار کرتے ہوئے مسجدوں میں داخل ہوتے ہوں۔ لفظ عِنْدَ جہاں جگہ کے قریب پر دلالت کرتا ہے ایسا ہی وقت کے قریب پر بھی۔ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا محاورہ اس رکوع میں دو جگہ وارد ہوا ہے۔ ایک تو مذکورہ بالا آیت میں اور ایک اس سے قبل تیسری آیت میں جہاں فرمایا ہے وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ یعنی تم اپنے مونہوں کو یا اپنی توجہ کو ہر مسجد کے نزدیک سیدھا کر لو اور اپنی اطاعت اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس سے دعا کرو۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ سے کیا مراد ہے؟ آیا یہ ظاہری اینٹ پتھر کی بنی ہوئی مسجد یا کوئی اور سجدہ گاہ؟ لفظ عِنْدَ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں جگہ پر بھی اطلاق پاتا ہے اور وقت پر بھی یعنی وہ وقت جو سجدہ کرنے کا ہے اور وہ موقع و محل جو خدا تعالیٰ کے سامنے جھکنے کا ہے۔ اسلئے ان آیات سے ہرگز یہ مراد نہیں۔ کہ مسجدوں کے قریب جا کر تم اپنے مونہوں کو سیدھا کرو یا یہ کہ ان کے نزدیک جا کر اپنے آپ کو زینت یعنی زیب و زیبائش سے آراستہ کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہاں ظاہری زینت مراد نہیں

تو پھر خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کا جواب سیاقِ کلام واضح کرتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت سورہ اعراف کے رکوع ۳ کی آخری آیت ہے۔ اس رکوع کے شروع میں بنی آدم کو مخاطب کرتے ہوئے انسان کے لباس اور اس کی زینت کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ آیت یہ ہے :-

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ
لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا
وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝

یعنی اے آدم کے بیٹو! ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہارے ننگ کو ڈھانپتا ہے۔ اور زینت نازل کی ہے (جو تمہارے ننگ کو خوبصورتی میں تبدیل کرتی ہے) یاد رکھو تقوےٰ کا لباس سب سے بہتر ہے جو اللہ تعالےٰ کے نشانات میں سے ہے تاکہ اس نشان پر غور کر کے بنی آدم نصیحت حاصل کریں۔"

یہاں جیسا ظاہری لباس کو زینت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بڑھکر تقویٰ کے لباس کو زینت قرار دیا گیا ہے۔ اس سیاقِ کلام میں خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر مسجد کے قریب جس زینت کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تقویٰ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنا اور اس کے احکام کو بجالانا روح بشری کے حسن کو دلربا بنانے والی زینت ہے۔ گناہ انسان کے اس حسن کو نہایت مکروہ شکل میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری اس کے اندر شانِ دلربائی پیدا کرتی ہے۔

شیطان کا فرضِ منصبی

آیت خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کے پُرحکمت معانی واضح نہیں ہوں گے تاوقتیکہ ہم سیاقِ کلام کو ذرا وسیع نظر سے نہ دیکھیں۔ سورۂ اعراف کے جس رکوع میں یہ آیت ہے اس سے پہلے یعنی دوسرے رکوع میں مسجد کی تشریح تشبیہاً سوال و جواب کے عام فہم پیرایہ میں نہایت ہی بلیغ اور واضح الفاظ میں یوں کی گئی ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگتا ہے اور اس کو مہلت دی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے :-

فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ
لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ
مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ
شَاكِرِينَ ۝

یعنی چونکہ تو نے مجھے غاوی بنایا ہے اسلئے میں تیرے سیدھے راستے پر ان کے لئے گھات میں بیٹھ جاؤں گا۔ پھر میں ان کے پاس آؤنگا انکے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو قدر دان نہیں پائے گا۔"

عربی زبان میں اَغویٰ کے معنے ہیں جعلہٗ غاویاً۔ کہ اُسے غاوی بنایا۔ غاوی کے معنی حد سے بڑھنے والا یا صحیح رستے کو چھوڑنے والا۔ سورۂ حجر میں بھی تمثیلی پیرایہ میں شیطان کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مہلت طلب کرتا ہے۔ اور جب اُسے مہلت دی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے :-

رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ
فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝
قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝

یعنی چونکہ تو نے مجھے حد سے گزرنے والا

بنایا ہے اسلئے میں ان کے لئے اس زمین میں زینت بناؤں گا اور انہیں راہِ استقامت سے ہٹاؤں گا جس سے وہ حدود سے تجاوز کریں گے سوائے تیرے اُن بندوں کے جو اس آزمائش میں خالص کئے جائیں گے۔ فرمایا یہ راہ میری طرف سیدھی ہے۔"

شیطان اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر ادب کے ساتھ مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ تو نے مجھے حد سے گزرنے والا بنایا ہے اسلئے میں صراطِ مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا تاکہ اپنی اس فطرت کے مطابق جو تو نے مجھ میں پیدا کی ہے اپنی ڈیوٹی ادا کروں۔ وہ ڈیوٹی کیا ہے؟ یہ کہ میں ان کے سامنے سے آؤں گا اور کھلے طور پر ان کو تیرے احکام کی نافرمانی کی ترغیب دوں گا اور اگر وہ اس کھلم کھلا دعوت سے اپنے رستے سے نہ ہٹے تو میں پیچھے سے آؤں گا اور ان کو حدود سے اِدھر اُدھر نکالنے کی کوشش کروں گا اور ان کے دائیں طرف سے بھی آؤں گا یعنی دین کی راہ سے گمراہ کروں گا اور بائیں طرف سے بھی یعنی دنیا کی لالچوں کے ذریعہ سے۔ اور اِس طرح پوری کوشش کروں گا کہ وہ صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر ہوں یہ میری ڈیوٹی ہوگی کیونکہ تو نے مجھے ایسا ہی پیدا کیا ہے۔ یہیں انسان کیلئے بہت بڑا مجاہدہ اور کڑا امتحان ہوتا ہے۔

ہمارے سجدہ گاہ کی نوعیت

اِس سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے جو صراطِ مستقیم تجویز کی گئی ہے اُس پر ہماری آزمائش کی غرض سے شیطان کی کڑی ڈیوٹی لگادی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی ہر رنگ میں دعوت دیتا ہے اور جونہی کہ وہ یہ دعوت دیتا ہے وہاں ہمارے لئے صراطِ مستقیم پر ایک موقع و محل پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے لئے اس کی تحریک کے بالمقابل ایک سجدہ گاہ بنائیں اور اس سجدہ گاہ کے ذریعہ سے اپنے اندر وہ حسن پیدا کریں جو ہماری

رُوح کی زینت اور خدا تعالیٰ کی محبوب شئے ہے۔ گویا انسان کا صراطِ مستقیم سینکڑوں قسم کی شیطانی اور ملکی تحریکات میں سے گزرتے ہوئے خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ اور ہر شیطانی تحریک کے وقت بذریعہ ملکی تحریک انسان کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنی ایک مسجد بنائے۔ خدا تعالیٰ کے حضور جھکنے کے لئے وہ وقت ہوتا ہے کہ انسان شیطانی تحریک کو دھکا دیتے ہوئے اپنے خالق کے حکم کے سامنے اپنا سر جھکائے اور اپنے صراطِ مستقیم پر سینکڑوں مسجدیں بنائے۔ اور اپنے حسن میں شانِ دلربائی پیدا کرتے ہوئے اس خدا تک پہنچے جو اسے ایک محبوب صورت میں دیکھنا چاہتا ہے اور جس کے لئے اس کی فطرت میں اس نے اپنے حسن کے نقش و نگار پیدا کئے ہیں۔

ہمارے صراطِ مستقیم کی مسجدوں کی نوعیت!

غرض مذکورہ بالا وہ سیاقِ کلام ہے جس میں آیت خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا مفہوم از خود واضح ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات کو ہمیشہ ان کے سیاقِ کلام میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کے بغیر نہ صرف قرآن مجید ہی بلکہ ہر کلام بے معنی اور بھونڈا نظر آئے گا۔

بیان کردہ سیاقِ کلام کے پیش نظر کل مسجد سے مراد یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر بیٹھے ہوئے شیطان کی طرف سے جب یہ تحریک ہو کہ انسان اپنی شہوات اور خواہشات کے پورا کرنے میں حد سے بڑھے اور ان شہوات میں صحیح تناسب قائم نہ رکھے تو بجائے اس کے کہ وہ شیطان کی تحریک پر لبیک کہے خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے سجدہ میں گر جائے اور اس طرح اپنے خالق کی مشیت کے سامنے جھکتے ہوئے صراطِ مستقیم پر سینکڑوں مسجدیں بنانے کا موقع شیطان کی تحریکوں سے ملتا ہے۔ عباد اللہ تو اپنی مسجدیں بناتے چلے جاتے ہیں لیکن جو عباد الشیطان ہیں وہ ان مسجدوں کے بنانے سے محروم رہ جاتے

ہیں۔ اور اس طرح یہ جس خوبصورتی پر خدا تعالیٰ عاشق ہے۔ اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ بلکہ ایک مکروہ شکل میں اپنی صورت کی تخلیق کرتے ہیں۔

اگر ان دو رکوعوں کے سیاقِ کلام کو مدنظر رکھا جائے تو آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ ورنہ ہر مسجد کے قریب اپنی زینت اختیار کرنے کا حکم لغو اور مہمل نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں زینت کی تشریح اسی آیت کے ایک دوسرے حکم سے کی گئی ہے اور وہ یہ کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا یعنی کھاؤ اور پیو وَلَا تُسْرِفُوْا اور کھانے پینے میں حد سے نہ بڑھو کیونکہ اس سے غذا اور حسن ضائع ہو جائے گا اور تمہاری روح کے اندر وہ تناسب قائم نہیں رہے گا جو تمہارے اندر خوبصورتی پیدا کرنے والا ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ کہ وہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو پیار نہیں کرتا جس کے یہ معنے ہیں کہ اپنی قوتوں اور شہوتوں کو برمحل استعمال کرنے اور اس کے اندر تناسب قائم رکھنے سے انسان کے اندر وہ حسین دلربا جلوہ گر ہوتا ہے جو خدا کو محبوب ہے۔

اب ان معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کی فصاحت و بلاغت پر غور کریں۔ آیت کا پہلا حصہ ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ دوسرا حصہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ تیسرا حصہ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ کہ وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبت حسن اور زینت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہر سجدہ کے وقت زینت پیدا کرنا اور خدا تعالیٰ کا اپنے بندہ سے محبت کرنا خواہشات کے پورا کرنے میں تناسب قائم نہ رکھنا اور خدا تعالیٰ کی محبت کو کھو دینا یہ چاروں باتیں مذکورہ بالا آیت میں طبعی تسلسل کیساتھ اپنے اپنے محل پر تین فقروں میں بیان کی گئی ہیں۔ عربی زبان کے مخصوص اسلوب بیان کی رُو سے اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ کے اندر یہ مفہوم لازمی طور پر پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو محبوب رکھتا ہے جو اپنی شہوتوں اور قوتوں کے اندر صحیح تناسب پیدا کرتا اور انہیں برمحل استعمال کرتا ہے۔ اس قسم کے کلام سے یہ مفہوم لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی باپ اپنے بچے کے میلے ہاتھ دیکھ کر کہے کہ دیکھو میں میلے ہاتھ والے بچے سے پیار نہیں کروں گا۔ اس کے صاف معنی ہیں کہ صاف ستھرے ہاتھ والا بچہ مجھے پیارا ہے۔

عالمگیر ازلی و ابدی حقیقت

مذکورہ بالا مفہوم اور سیاقِ کلام کو واضح کرنے کیلئے ایک اور بات پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ لفظ شیطان[1] اور طاغوت ایک لحاظ سے ہم معنی لفظ ہیں طاغوت کے معنی بھی حد سے بڑھنے والے کے ہیں۔ اور یہ دونوں لفظ اس حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں جس پر انسان کی فطرت پیدا کی گئی ہے۔ نہ صرف انسان کی بلکہ ہر چیز کی فطرت ایک ازلی ابدی حقیقت پر شاہد ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جتنی بھی شہوتیں اور قوتیں رکھی ہیں وہ اپنی ذات میں بے انتہا ہیں۔ ان کو اگر اپنی طبیعت پر چھوڑا جائے تو وہ کہیں بھی قرار نہیں پاتیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہوت و قوت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے پر نہیں آتا۔ مثلاً بھوک کی شہوت ہے۔ انسان کھاتا ہے اور زبان اس کھانے کے ذائقے سے مزا لیتی ہے۔ زبان بھی کہتی ہے کھاتا چلا جا اور بھوک کی شہوت بھی تقاضا کرتی ہے کہ کھاؤ اور خوب کھاؤ۔ اگر ہمارے پیٹ کی چار دیواری محدود نہ ہوتی تو انسان کھاتا ہی چلا جاتا۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو ایک طرف کھاتے ہیں اور دوسری طرف قے کر دیتے ہیں اور پھر کھانے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہماری

[1] لفظ شیطان پر ایک زائد معنی بھی پایا جاتا ہے یعنی ہلاک ہونے والا۔

پیاس بھی نہ بجھنے والی ہے۔ ایک ٹھنڈا شربت انسان پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ پیتا چلا جائے لیکن اسے چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ پیٹ کے اندر گنجائش نہیں۔ وہ اسلئے کھانا اور پینا نہیں چھوڑتا کہ کھانے اور پینے کی شہوت میں بس ہو جاتی ہیں بلکہ بوجہ مجبوری چھوڑتا ہے۔ اسی طرح دولت کی حرص کا حال ہے۔ انسان کماتا ہے اور مال و دولت سے فراواں ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں اس کی دولت بڑھتی ہے اس کی حرص و آز بھی بڑھتی ہے اور چاہتا ہے کہ کل کائنات کا مالک ہو جائے اور اس کی حرص پھر بھی بس نہیں ہوتی۔ اسی طرح انسان کے غصے کی حالت ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص کو غصہ آتا ہے اور جوں جوں زبان کھولتا جاتا ہے غصہ بڑھتا جاتا ہے اور بس نہیں کرتا تاوقتیکہ وہ خود نہ تھک جائے یا جس پر غصہ کا اظہار کرتا ہے وہ ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح انسان کی ہر قوت و شہوت بے پایاں ہے۔ گویا رحمان نے انسان کو جو قوتیں اور شہوتیں عطا کی ہیں وہ اپنے فطرتی میلان کی رُو سے لا انتہا اور نہ ختم ہونے والی ہیں۔ یہی فطرت تمام حیوانات و نباتات بلکہ تمام عناصرِ کائنات میں جلوہ گر ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بڑ کا درخت ہے اگر اس کے سارے بیج محفوظ رہیں تو دنیا میں یہی درخت ہو اور کسی اور درخت کو نشو و نما پانے کا موقع نہ ملے۔

اسی طرح آگ، پانی اور ہوا کی طبیعت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا میلان لا انتہا ہے۔ اگر ان کی حد بندی نہ ہو تو ہر ایک عنصر دنیا میں ایک قیامت برپا کر دے۔ ہر ایٹم کے ذرہ کے اندر بے حد قوت پنہاں ہے جس کا سربستہ راز آج معلوم ہوا ہے۔ نئے انکشافات نے فطرت کے اس قاعدہ کو آشکار کر دیا ہے۔ یہی قانونِ فطرت انسانی قوتوں اور شہوتوں کی طبیعت میں کارفرما ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ میں قوائے عالم کی حد سے بڑھنے والی فطرت کا ذکر کرتے ہوئے یہ دلیل پیش فرمائی ہے کہ اگر ان قوتوں کی رسیاں کھلی چھوڑ دی جائیں تو دنیا میں کہرام مچ جائے اور نظامِ عالم آناً فاناً درہم برہم ہو جائے لیکن وہ خدا جو نہ صرف رحمان ہے بلکہ قادر بھی ہے اس نے ہر ایک کے لئے حد بندی کر کے اس ناقابلِ تردید حقیقت کو اپنے وجود پر نشان ٹھہرایا ہے۔ جو بتاتا ہے کہ کائناتِ عالم کے نظام کو قائم رکھنے والی قادر و قیوم ہستی موجود ہے۔

غرض خدائے رحمان نے جہاں انسان کو غیر محدود شہوتیں اور قوتیں دیکر اس کو اپنی لا انتہا رحمتوں سے نوازا ہے وہاں اسے بااراده یا اختیار دیکر احکامِ شریعت سے پابند فرمایا ہے کہ وہ اپنی قوتوں اور شہوتوں میں تناسب قائم رکھے اور اس کی روح اپنی خوبصورتی کے ساتھ اس کے حضور قابلِ پذیرائی ہو۔

شیطانی اور طاغوتی مظاہر

شیطان اور طاغوت ایسے نام ہیں جو انسان کے انہیں غیر محدود رجحانات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس کے مظاہر انسان بھی ہیں اور جن بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ جو کہ مصور ہے شیطان و طاغوت کی حقیقت کو مجسم کر کے دکھاتا ہے۔ ان کی شخصیت ایک حقیقی شخصیت ہے جو مختلف مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے۔ شیطان اور طاغوت کا تصور ایک کلی تصور ہے۔ یہ اسم اسماءِ جامدہ میں سے ہے۔ یعنی انسان کی قوتیں اور شہوتیں جو حد سے بڑھنے والی ہیں ان کے مجموعہ کا نام طاغوت اور شیطان ہے۔ ہر شخص کم و بیش اپنی طبیعت کی رُو سے ان کا مظہر بن سکتا ہے جس کی وجہ سے ایسے لوگوں کو قرآن مجید میں شیاطین الانس یعنی انسانی شیطان اور طاغوت کا نام دیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دیگر عباد اللہ کا شیطان آخر مسلمان اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔

میں نے جو کہا ہے کہ شیطان اور طاغوت اسم جامع ہیں اور ان کا تصور رکھتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ خیالی نام ہیں بلکہ ان کی حقیقت ایسی ہی یقینی ہے جیسی ہماری قوتوں اور شہوتوں کی ہے۔ غرض یہ دونام جامع ہیں تمام شہوتوں اور قوتوں کی اس فطرت کے جس میں غیر محدودیت کا مفہوم پایا جاتا ہے جو انسان کے اندر حد سے بڑھنے کی حالت پیدا کر دیتی ہے۔ قرآن مجید نے تمثیلی رنگ میں اس حقیقت کو سوال و جواب کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے اور شیطان بڑے ادب سے اپنے رب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے چونکہ تو نے مجھے حد سے بڑھنے والا بنایا ہے اسلئے میں صراطِ مستقیم پر بیٹھ کر اپنا فرض پوری طرح ادا کروں گا اور ہر طریق سے انسان کو حدود سے تجاوز کرنے کی ترغیب دونگا جس میں ان کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور جھکنے اور سجدہ کرنیکا نادر موقع ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ اور اس ذریعہ سے وہ صراطِ مستقیم پر مسجد بنا سکیں گے۔

شیطان کی یہ ڈیوٹی اپنے اندر بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی اس ڈیوٹی کی وجہ سے حضرت آدمؑ لغزش کے بعد سنبھلے اور ایسے سنبھلے کہ آخر لباسِ تقویٰ پہن کر خلافت کے پیراہن سے اپنی انتہائی زیبائش حاصل کی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور محبت کے مورد ہوئے۔ اگر شیطان کی یہ تحریکیں نہ ہوتیں تو انسان کے لئے رضاء الٰہی حاصل کرنیکا موقع بھی نہ ہوتا۔ شیطان کا وجود بشریت کے نظام میں ایک نہایت ہی قیمتی کل پرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کل پرزے کی وجہ سے ہی ہزاروں انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین پیدا ہوئے۔ انہوں نے صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے شیطان کی تحریکوں کو (خواہ وہ نمایاں ہوں یا پوشیدہ، خواہ مذہبی عقائد کی صورت میں ہوں یا دنیا کے لالچوں کی صورت میں) بھانپ کر انہیں رد کیا اور خدا تعالیٰ کے حکم کو مقدم رکھا اور ہر تحریک کے بالمقابل خدا کے حکم کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے لئے مسجدیں بنائیں۔ یہ مراد ہے آیت خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کی کہ تم ہر ایسے مقام پر کہ جب خدا کے حضور جھکنے اور مسجد بنانے کا موقع ہو تو ایسی مسجد بناؤ اور اپنی قوتوں اور شہوتوں میں تناسب پیدا کرتے ہوئے وہ زینت پیدا کرو جو خدا کی پسندیدہ شے ہے اور ان شہوتوں اور قوتوں کو استعمال کرنے میں حد سے نہ بڑھو کیونکہ اس طرح تمہاری شکل بھونڈی ہو جائے گی۔

کس اختصار اور خوبصورت پیرایہ میں اس ایک آیت نے انسان کی فطرت اور اس کی پیدائش کی غرض و غایت کو واشگاف کیا ہے۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا کے عام فہم حکم سے خوبصورتی اور بدصورتی کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے انسانی روح کی اس زینت کی طرف جو خدا تعالیٰ کی محبت کی جاذب ہے اور اس کی بدصورتی کی طرف جو اس کی نفرت کا موجب ہے توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک عرب شاعر پینسی (Pansee) پھول کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

یا زهرة (البانسيه) كم تشبهين
صورة قلب مستهام حنون
لضم الوان الهوا جوفه
وانت بالالوان كم تزدهين
يا راحة القلب امنعيه الهدى
قلبي غدا في زمرة المتعبين
ملقى على اليأس يسف الأسى
ويكتم الشجوى ومر الشجون

یعنی اے پینسی کے پھول! تیری شکل و صورت دل سے ملتی جلتی ہے جو محبت میں سرگرداں اور شفقت سے لبریز ہے۔ دل رنگا رنگ کی محبتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور تو اپنے رنگوں کی وجہ سے کیا ہی خوبصورت ہے کیونکہ

تیرے رنگوں میں تناسب و اعتدال ہے اور انسانی
دل کی محبتوں میں وہ تناسب نہیں بلکہ مختلف محبتیں اپنی
حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ان کی خوبصورتی کو ملیا میٹ
کر دیتی ہیں۔ اسلئے اے پھول! جو میرے دل کی راحت
ہے میرے اس دل کی راہنمائی کر کہ وہ بھی اپنی محبتوں میں
تناسب قائم رکھے کیونکہ میرا دل بے اعتدالیوں کی وجہ
سے تھکوں ماندوں میں شامل ہو گیا ہے۔ وہ مایوسی کی
زمین پر اوندھا پڑا مٹی پھانک رہا ہے اور نہایت ہی
تلخ دردوں کو چھپائے ہوئے ہے۔

شاعر نے شاعرانہ پیرائے میں انسانی فطرت کو
بیان کیا ہے کہ اگر وہ نفسانی شہوتوں میں تناسب قائم
رکھے تو وہ اپنی اس فطرت میں پھول کی طرح خوبصورت
ہے اور اگر وہ تناسب کو کھو بیٹھے تو اس کا انجام نہایت
تلخ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک نظم میں جس کا پہلا
شعر ہے ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدأ الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

میں فرماتے ہیں ؎

اس بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

صرف فرق یہ ہے کہ ہر شے اپنے حسن سے بلا ارادہ
اپنے خالق کی تسبیح کر رہی ہے مگر انسان سے چاہا گیا ہے کہ
وہ بالارادہ اپنے خداداد حسنِ پنہاں کو جلا دے کر اس
کی تسبیح بیان کرنے والا بنے۔ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ ہر شے اپنے حسن سے اپنے خالق کی
تسبیح کر رہی ہے لیکن وہ انسان جسے خذوا زینتکم
عند کل مسجد کا حکم دیا گیا ہے رکوع و سجود
میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ
کا ورد زبان سے کرتا ہے مگر کم ہیں جو اپنے روح کے
حسن پنہانی کو اجاگر کر کے زبانِ حال سے اپنے خالق کی
سبوحیت کے شاہد ناطق ہوں۔

عربی زبان میں ایک اصطلاح لف و نشر کی ہے۔
لف کے معنی لپیٹنا اور نشر کے معنی کھولنا ہیں۔ اس کی دو
بڑی قسمیں ہیں جن میں خاص ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔
یہ اسلوبِ بیان نہ صرف مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے
بلکہ اس کی مابعد کی آیات میں بھی۔ اس خاص اسلوب
کے پیش نظر اس آیت کی عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ
ہر سجدہ گاہ کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ
کو تمہاری زینت محبوب ہے۔ کھاؤ اور پیو جیسا کہ اللہ تعالےٰ
چاہتا ہے نہ جیسا کہ تمہارا نفس چاہتا ہے۔ اسراف نہ کرو
کیونکہ اسراف زینت کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ
اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت نہیں رکھتا جو حدِ اعتدال
سے گزرتے اور اپنی زینت کو کھو دیتے ہیں۔

غرض خذوا زینتکم عند کل مسجد
سے یہی روحانی زینت مراد ہے نہ کہ ظاہری لباس کی
زینت۔ اور کل مسجد سے مراد وہ سجدہ گاہ ہے
جو صراطِ مستقیم پہ ایک سچا عابد شیطانی تحریک کے بالمقابل

اپنی مخلصانہ اطاعت سے بناتا ہے۔ سیاقِ کلام اور اسلوبِ بیان دونوں اسی مفہوم کو واضح کرتے ہیں اور اس کا سیاق کی مابعد کی آیت میں زینت کی مزید تشریح کی گئی ہے جو یہ ہے :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ۔

اور آخرت میں جو بدلہ ایک مردِ مجاہد کو دیا جائے گا وہ بھی حسن کی صورت میں نمایاں ہوگا۔ جیسا کہ فرماتا ہے :-

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۔

(آل عمران آیت ۱۴۸)

اس آیت میں بھی اسراف سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

فتدبّروا القرآن الحکیم +

مشکلِ قرآں نہ از ابنائے دنیا حل شود

کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

روئے دلبر از طلبگاراں نمے دارد حجاب / میدرخشد در خور و مے تابد اندر ماہتاب

لیکن آں روئے حسیں از غافلاں ماند نہاں / عاشقے باید کہ بردارند از بہرش نقاب

دامنِ پاکش ز نخوتہا نمے آید بدست / ہیچ راہے نیست غیر از عجز و درد و اضطراب

بس خطرناک است راہِ کوچۂ یارِ قدیم / جاں سلامت بایدت از خود رویہا سر بتاب

تا کلامش فہم و عقلِ ناسزایاں کم رسد / ہر کہ از خود گم شود او یابد آں راہِ صواب

مشکلِ قرآں نہ از ابنائے دنیا حل شود / ذوق آں مے داند آں مستے کہ نوشد آں شراب

ایکہ آگاہی نداری تو ز انوارِ درون / در حقِ ما ہرچہ گوئی نیستی جائے عتاب

از سرِ وعظ و نصیحت ایں سخنہا گفتہ ایم / تا مگر زیں مرہمے بہ گردد ایں ریشِ خراب

از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا / چوں علاجِ مے ز مے وقتِ خمار و التہاب

ایکہ گوئی گر دعاہا را اثر بودے کجاست / سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب

ہاں مکن انکار زیں اسرارِ قدرتہائے حق
قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

قرآنِ کریم کا قانونِ شہادت!

(از مکرم جناب مولوی محمد احمد صاحب جلیل پروفیسر جامعۃ المبشرین)

ایک پائیدار اور کامیاب ملکی یا قومی نظام کی یہ علامت ہے کہ وہ انسانی زندگی کے سب پہلوؤں میں رہنمائی کرے اور معاشرہ کے تمام شعبوں کے لئے اصول اور قوانین پیش کرتا ہو۔ اسلام نے دُنیا کو ایک ایسا نظام دیا ہے جس نے اجتماعی و انفرادی زندگی کے تمام اہم مسائل میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ ہر قسم کی معاشی و اقتصادی، تمدنی و سیاسی اخلاقی و روحانی ضروریات کے لئے اس میں ایسے زرّیں اصول بیان کئے گئے ہیں جن کو اختیار کرکے اقوامِ عالم روحانی و مادی طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں متوازن اور حقیقی رفعت حاصل کر سکتی ہیں۔ تاریخ اِس بات کی شاہد ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں انسانیت کا کثیر حصّہ اسلام میں داخل ہو کر ان اصول پر عمل پیرا ہؤا اور اپنے زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے ترقی کی انتہائی منازل تک پہنچا اور ایک معتد بہ حصّہ نے دائرہٗ اسلام سے باہر رہ کر اسلام کے اصول کو اپنایا اور ان کی برتری کا اقرار کیا۔

اسلام نے عدلیہ کے نظام کے لئے بھی مستحکم اور جامع اصول مقرر کئے ہیں۔ عدالت کا کام تنازعات کا تصفیہ کرنا اور دعاوی کے لئے فریقین کے پیش کردہ ثبوت کا موازنہ کرکے حق و باطل میں امتیاز کرنا ہے جس کا مدار زیادہ تر شہادت پر ہے۔ پس قانونِ شہادت قضائی کاروائی کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسلامی قانونِ شہادت میں مختلف دعاوی کی اہمیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے شہادت کے مختلف معیار مقرر کئے گئے ہیں۔ ذیل کی سطور میں قرآن کریم کے بیان کردہ قانونِ شہادت کا کچھ حصّہ اختصار کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے:-

(ا) وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (زخرف ع ۷)

ترجمہ:- جنہیں لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سوائے ان کے جو سچی شہادت دیں اور علم رکھتے ہوں۔

اِس آیت کے مضمون سے مندرجہ ذیل اصول مستنبط ہوتے ہیں:-

(الف) کسی مقدمہ میں گواہی کے لئے پیش ہونے والے شخص کا راست گو ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس کی گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق ع ۱) کہ اپنے میں سے انصاف والوں کو گواہ مقرر کیا کرو۔

(ب) گواہ جس امر کی شہادت دینا چاہتا ہے اس کے متعلق اسے ذاتی علم ہونا چاہیئے۔

قیاس یا سنی سنائی بات شہادت دینے کے لئے کافی نہیں۔

لفظ شہادت کے اندر یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ کسی واقعہ یا کسی امر کی شہادت کے لئے گواہ کا اس موقع پر خود موجود ہونا اور بچشم خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام راغب اپنی کتاب مفردات میں لکھتے ہیں :۔

"الشہادۃ الحضور مع المشاھدۃ"

(۲) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۔

(بقرہ ع ۳۹)

ترجمہ :۔ اور گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

اس آیت کریمہ میں گواہوں کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ جب انہیں شہادت کے لئے بلایا جائے تو انہیں عدالت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ شہادت دینے سے انکار کرنا جائز نہیں۔ ایک اور آیت میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۔

(بقرہ ع ۳۹)

ترجمہ :۔ گواہی کو مت چھپاؤ اور جو اُسے چھپائے گا اس کا دل یقیناً گنہگار ہے۔

اس آیت میں نہ صرف کتمانِ شہادت سے منع کیا گیا ہے بلکہ اس کو مجرمانہ فعل شمار کیا گیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل شہادت کو ادا کرنا اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ اور قابلِ تعریف صفت بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ (المعارج ع ۱) کہ مومن اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ع ۱) کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شہادت ادا کرو۔

(۳) وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۔

(البقرہ ع ۳۹)

ترجمہ :۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ رکھو۔ اور اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ جو ایسے لوگوں میں سے ہوں جن کا گواہ ہونا تم پسند کرتے ہو۔ تاکہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو اُن میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے۔

اس آیت کریمہ میں یہ امور بیان کئے گئے ہیں :۔

(الف) حقوق اور مالی معاملات میں دو مرد گواہ ہونے چاہئیں۔

(ب) اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد کی بجائے دو عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں۔

(ج) گواہان کی شہرت اور ان کا کیریکٹر پسندیدہ ہونے چاہئیں۔

دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے مساوی قرار دینے کی وجہ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ میں بیان کی گئی ہے "تَضِلَّ" کے معنے عام طور پر بھول جانا کے جاتے ہیں اور "تُذَكِّرَ" کے معنے یاد دلانا۔ اور اس کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ کسبِ معاش

اور معاملات میں پڑنا عموماً مرد کا منصب ہے۔ عورتیں اکثر امورِ خانہ داری میں مشغول رہتی ہیں اور معاملات کا انہیں تجربہ نہیں ہوتا۔ اور اس پہلو سے انکی ذہنی تربیت کے مواقع مرد کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا حافظہ لین دین وغیرہ کے معاملات کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اس کمی کی وجہ سے دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر بجائے خود معقول اور قابلِ قبول ہے۔ لیکن قرآن کریم کے حکیمانہ اسلوبِ بیان اور وسعتِ مطالب کو مدِنظر رکھ کر اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عبارت کا مفہوم زیادہ وسیع ہے۔

عربی زبان میں بھول جانے کا مفہوم ادا کرنے کیلئے لفظِ نسیان ہے۔ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق آیا ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ ع ۶) "ضَلَّ" کا مفہوم اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ یہ لفظ بھول جانے کے معنی کے علاوہ بہک جانے اور صحیح راستہ سے بھٹک جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل ہدایت کا لفظ آتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مائدہ ع ۱۴) ضَلَّ اور نَسِيَ کا مترادف المعنی نہ ہونا اس آیت سے پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ ع ۲) اسی طرح لفظِ تذکیر یاد دلانے کے علاوہ نصیحت کرنے کے معنے میں بھی بکثرت آتا ہے۔ مثلاً فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ)

قرآن کریم نے صنفِ نازک کی ایک صفت هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (زخرف ع ۲) بیان فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت بحث میں مرد کی نسبت کمزور ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی فطرت میں مرد کی نسبت زیادہ جذبات کا غلبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اس فطری خاصہ کے باعث اس کی قوتِ استدلال عموماً جذبات کے نیچے دب جاتی ہے۔ اس تشریح کی روشنی میں اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ایک عورت اپنی جبلی کمزوری یعنی جذباتی طبیعت کی وجہ سے ایک طرف جھکنے لگے تو دوسری اسے سمجھا کر صحیح شہادت پر قائم کر دے۔ اس معنے پر ان لوگوں کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوسکتا جو کہتے ہیں کہ یہ نظریہ درست نہیں کہ عورت کا حافظہ مرد سے کمزور ہوتا ہے۔

اسلامی قانونِ شہادت میں دو گواہ رکھے جانے کی حکمت کی طرف بھی اس آیت میں لطیف اشارہ پایا جاتا ہے یعنی ایک آدمی خواہ کتنا دیانتدار، معاملہ فہم اور منصف مزاج ہی کیوں نہ ہو اور اس سے قطعاً غلط بیانی یا طرفداری کرنے کا خطرہ نہ ہو پھر بھی یہ ناممکن نہیں کسی وقت وہ جذبات کی رَو میں بہہ جائے یا اس کا حافظہ واقعہ کے کسی حصہ کو یاد رکھنے میں غلطی کر جائے اور اس کے جادۂ اعتدال سے پھسل جانے کی وجہ سے کسی شخص کی حق تلفی ہوجائے۔ اس اندیشہ کو حتی الوسع دُور کرنے اور شہادت کو پوری طرح یقینی بنانے کے لئے اسلام نے دو گواہوں کی شرط لگادی ہے۔

(۴) (الف) وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (النساء ع ۳)

ترجمہ:۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو
بے حیائی کی مرتکب ہوتی ہوں اُن کے
خلاف اپنے لوگوں میں سے چار گواہ لو۔
اور اگر وہ گواہی دیدیں تو انہیں گھروں
کے اندر روک رکھو یہاں تک کہ موت
ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے
لئے کوئی اور راہ بنا دے۔

(ب) وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً
اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝
(النور ع ۱)

ترجمہ:۔ جو لوگ شریف عورتوں پر الزام
لگائیں پھر اس پر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں
اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی
قبول نہ کرو اور وہ لوگ فاسق ہیں۔

اِن دونوں آیتوں میں بدکاری اور زنا کے الزام کے ثبوت کے لئے چار گواہ مقرر کئے گئے ہیں۔ عام معاملات سے اس کی شہادت کی تعداد دو چند رکھی گئی ہے جس کی حکمت کی طرف ان آیتوں میں "المحصنٰت" اور "من نسائکم" کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی عورت کی عصمت کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کرنا مقصود ہے۔ دوسرا اشارہ "یاتین الفاحشۃ" اور "اولٰئک ھم الفسقون" کے الفاظ میں ہے۔ کہ یہ عام حقوق کا تنازعہ یا مالی معاملہ نہیں جس میں بسا اوقات کسی ایک فریق کی یادداشت یا فہم کی غلطی کا دخل ہوتا ہے۔ مگر کسی کی عزت اور اخلاق پر اس کے نتیجہ میں دھبہ نہیں لگتا۔ اس کے برعکس بدکاری کے الزام سے دوسروں کی عزت و ناموس داغدار ہونے کے علاوہ اس کا چرچا ہونے سے عوام میں بے حیائی پھیلنے اور ان کے دلوں سے بدکاری کی نفرت مٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسلئے یہ پابندی لگا دی گئی ہے کہ اگر چار گواہ نہ ہوں تو ایسے امور کو نہ پبلک میں لایا جائے اور نہ ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کی اصلاح کے لئے عدالت سے باہر دیگر اخلاقی دباؤ اور انتظامی ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں "الفسقون" سے مراد ایسے لوگ ہیں جو دبے ہوئے گند کو اچھال کر اور بدی کا چرچا کر کے سوسائٹی کے ذہنوں کو گندے خیالات میں ملوث کرنے کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں ایک دوسری آیت میں ان الفاظ میں وضاحت سے کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَ
الْاٰخِرَةِ (نور ع ۲)

ترجمہ:۔ جو لوگ اِس بات کو پسند کرتے
ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ایسے
لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک
عذاب ہے۔

بدکاری کے کیس میں چار گواہوں کی شرط لگانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام ایک دینی نظام ہے جو اپنے متبعین کو محض عام آداب اور سطحی اخلاق کی تعلیم دینے پر اکتفاء نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ ایک روحانی معاشرہ پیدا کرنا اس کا مطمح نظر ہے۔ بدکاری سے تعلق رکھنے والے جرائم اور ان کا چرچا دونوں روحانیت کے لئے زہر کی طرح ہیں۔ پاکیزہ روحانی خیالات اور شہوانی پلید تحریکات بیک وقت ایک جگہ

جمع نہیں ہوسکتے۔ جب بھی دونوں میں سے کسی ایک کی رو غالب آئے گی تو لازمی طور پر دوسرے کی رفتار مدھم پڑ جائے گی۔ اسلئے اسلام نے بدکاری کی سخت عبرت ناک سزا مقرر کی ہے۔ مگر ساتھ ہی چار گواہوں کی پابندی لگا دی۔ کیونکہ کوئی سزا خواہ کتنی ہی سخت اور خوفناک کیوں نہ ہو اس کے عام ہو جانے سے اس کا رعب دلوں سے مٹ جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے ذیل کے اصول مستنبط ہوتے ہیں:-

(الف) کسی عورت پر زنا کا الزام لگایا جائے یا اس کے متعلق عام بے حیائی اور بد اعتدالی کی شکایت ہو، ہر دو صورت میں چار گواہ ثبوت کے لئے پیش کرنا ضروری ہے۔

(ب) اگر مقررہ معیار کے مطابق شہادت پوری نہ ہوسکے تو الزام جھوٹا قرار دیا جائے گا اور ملزم از خود بری ہو جائے گا۔ اس سے صفائی کے گواہ طلب نہیں کئے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ (نور ع ۲)

(ج) زنا کا الزام ہونے کی صورت میں اگر گواہ چار سے کم پیش ہوں گے تو وہ خود قذف کے مجرم گردانے جائیں گے اور مستوجب سزا ہوں گے۔ اور آئندہ ان کی کوئی شہادت قبول نہ کی جائے گی لیکن زنا کا معین الزام نہ ہونے کی صورت میں گواہان پر اتنی سختی نہیں۔

(۵) وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (یوسف ع ۳)

ترجمہ:- اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے یہ شہادت دی کہ اگر اس شخص کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل واقعہ ایک حد تک فریقین کے اقرار سے ثابت ہے کہ ان میں باہم کشاکشی ہوئی ہے مگر دونو الزام ایک دوسرے پر دے رہے تھے۔ ایسی حالت میں حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے قرائن کی شہادت (Circumstantial evidence.) فیصلہ کن ہوگی اور عینی گواہ ضروری نہ ہوں گے۔

ضروری اعلان

۱- بقایادار حضرات اپنے بقایاجات کی ادائیگی کیطرف فوری توجہ فرمائیں۔ مہربانی فرماکر وی پی آنیکی صورت میں وصول فرماکر شکریہ کا موقع بخشیں!

۲- خریدار حضرات پتہ جات کی تبدیلی کی صورت میں دفتر کو ضرور اطلاع دیا کریں!

۳- رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت کیلئے کوشش فرمائیں!

(مینجر الفرقان ربوہ)

مسلمانوں کی عمومی سلطنت اور قرآنی ہدایات

حکومت خدا کی ایک امانت ہے اور حکمران خدا کے سامنے جوابدہ ہیں!

ہم اس رسالہ کے ایک دوسرے مضمون میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ اسلام جس روحانی مملکت کا داعی اور نقیب ہے وہ انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے اور خلفاءِ راشدین تک اس کا ایک خاص دور ہوتا ہے۔ صحیح معنوں میں روحانی مملکت اسی عہد کی حکومت کا نام ہے۔ اس دور کے بعد بھی طور پر وہ روحانی برکات جو دورِ نبوت اور خلافت کے شامل حال تھیں مجموعی طور پر ناپید ہو جاتی ہیں اور کہیں کہیں افراد میں ان کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ دور دورِ حکومت عمومی کہلاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس عمومی دور کے بارے میں بھی ایک آئین مقرر فرمایا ہے اور دنیا میں حکمرانوں اور ملک کے عام باشندوں کے لئے قوانین بیان فرمائے ہیں۔

انبیاء میں بعض ایسے نبی بھی گزرے ہیں جن کو اپنے زمانہ میں دنیوی سلطنت حاصل تھی۔ اور بعض ایسے بھی گزرے ہیں جو خود حکمران نہیں ہوئے۔

قرآن مجید نے عمومی حکومت کے ذکر کے سلسلہ میں سب سے پہلی **ہدایت** یہ بیان فرمائی ہے کہ درحقیقت انسانی قلوب پر حکومت کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے انسانوں کے تمام جوارح اور اعضاء صرف اسی کی اطاعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْمَلِكُ کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اعراف: ۱۵۷)۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ (بقرہ: ۲۴۷) کہ خدا تعالیٰ ہی کی حکومت زمین و آسمان پر قائم ہے وہی حکمرانی کے اختیارات انسانوں کو بخشتا ہے۔ قرآن مجید میں دعا سکھائی گئی ہے

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: ۲۶)

اے خدا تو ہی بادشاہت کا مالک ہے۔ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر قسم کی خیر و برکت ہے اور تجھے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔

اس دعا سے بھی ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک دنیا کی حکمرانی کا اصل حق خداوند تعالیٰ کو ہے جو مالک الملک ہے۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق جنہیں چاہتا ہے برسرِ حکومت لے آتا ہے اور اپنی مشیت کے مطابق دوسرے لوگوں کو حکومت سے محروم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت دو طور پر ہوتی ہے۔ (۱) مشیت کونی جسے تقدیرِ عام یا قانونِ قدرت بھی کہہ سکتے ہیں۔ (۲) مشیتِ شرعی جسے تقدیرِ خاص یا قانونِ شریعت کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی دونوں مشیتیں حکومتوں کے سلسلہ میں کارفرما ہوتی رہی ہیں اور آج بھی کارفرما ہیں۔ قرآنی عقیدہ کی رو سے دنیا کا کوئی سانحہ اتفاقی نہیں ہے بلکہ ہر

انقلاب چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور ہر تبدیلی اچھی ہو یا بُری اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے ارادہ سے ظاہر ہوتی ہے پس قرآنی نظریہ کے مطابق اصل حکومت روحانی ہو یا جسمانی اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ وہ اپنے اس اختیار کو اپنی مشیّت کے مطابق ایک محدود حد تک اپنے بعض بندوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے منشاء کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی مملکت اللہ تعالیٰ کی خالص نمائندگی میں ہوتی ہے۔ اس میں خدائی انتخاب سے نبی کو مامور کیا جاتا ہے۔ ساری دُنیا بھی اس کی مخالفت کرے تب بھی اس خدائی انتخاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نبی کے بعد خلافت اس روحانی مملکت کا عکس اور ظلّ ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس میں اس روحانی جماعت کی رائے اور مشورہ کا بھی دخل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر جمع ہوئی تھی اسلئے خلافت کا انتخاب پورے طور پر براہ راست خدائی انتخاب نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ برگزیدہ جماعت کے دلوں پر ایک خاص صدمہ کے وقت روح القدس کا نزول ہوتا ہے اور وہ اسی حالت میں خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر اس انتخاب کو اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے اسلئے خلافت کا دَور بھی روحانی مملکت میں ہی شامل ہوتا ہے۔ یہ دونوں دَور اللہ تعالیٰ کے اصطفاء اور اجتباء کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس روحانی مملکت کے مقابل پر جو عام اسلامی سلطنت قائم ہوتی ہے اس میں اسلام کے اس اصل کا عملی اظہار ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں اور کسی کو ذاتی طور پر یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کرے۔ اس اصل کا عملی اظہار یوں ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے عام اسلامی سلطنت کے لئے اولوالامر کا انتخاب مسلمانوں کی رائے اور ان کے انتخاب پر رکھا ہے۔ اور انہیں اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ گویا اسلام حکمرانوں کو قانون کے تابع رکھتا اور محدود اختیارات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء : ۱۸)

کہ حکومت ایک امانت ہے۔ مسلم معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ خدائی حکم کے مطابق اسے ایسے لوگوں کے سپرد کریں جو اس امانت کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ اس میں جمہور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نمائندے اُن لوگوں کو بنائیں جو حکومت کی امانت صحیح طور پر ادا کرنے کے اہل ہوں۔

اس آیت کے اگلے حصہ میں اختیارات لینے والے نمائندوں کو تلقین کی ہے وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ کہ اب تم برسر اقتدار آ چکے ہو اور قوم نے زمام سلطنت تمہیں سونپ دی ہے اسلئے تم اس بات کے ذمہ دار ہو کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرو اور اُن کے فیصلے عدل و انصاف سے کرتے رہو۔ گویا حکمرانوں کا انتخاب قوم اور جمہور کی رائے پر چھوڑا گیا اور حکمرانوں کو قانون اور انصاف کا پابند کر دیا گیا۔ اس طرح اسلام نے استبدادی حکومتوں کی راہ بند کر دی اور صحیح رنگ میں جمہوریت کے پنپنے کے لئے موقع پیدا کر دیا۔

اسی سلسلہ میں قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کا قول نقل فرمایا ہے۔ فرماتا ہے:-

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (المائدہ : ۲۲)

کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء مبعوث کئے۔ وجعلکم ملوکا اور تم سب کو بادشاہ بنایا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حکومت اور بادشاہت اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی خاص فرد کا حق نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک قومی چیز ہے اور قوم کی رائے اور مشورہ سے ہی

اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم کے پُرحکمت بیانات میں سے ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ ذرا سے لفظی تغیّر سے ایک بڑی حقیقت کو بیان کر دیتا ہے جعل فیکم انبیاء کہہ کر نبوت کو انبیاء کی ذات سے مختص قرار دیدیا۔ لیکن بادشاہت کے ذکر پر جعل فیکم ملوکاً نہیں فرمایا بلکہ جعلکم ملوکاً فرمایا ہے جس سے اس مفہوم کو ظاہر کرنا مدّنظر ہے کہ بادشاہت قومی امانت ہے اور ساری قوم اس میں شریک ہے۔ کوئی شخص پیدائشی طور پر بادشاہ بننے کا حقدار نہیں قرار پا سکتا۔

قرآن مجید کے اِن بیانات سے یہ اصل واضح طور پر معیّن ہو جاتا ہے کہ اسلام میں حکومت جمہور کے انتخاب اور مشورہ سے ہی قائم ہو سکتی ہے۔

عام سلطنت کے سلسلہ میں قرآن مجید نے دوسری ہدایت یہ دی ہے کہ ہماری دی ہوئی حکومت کو بعض لوگ صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے دونوں قسم کے بادشاہوں کا ذکر فرمایا۔ قرآن مجید میں ایک طرف حضرت سلیمانؑ کو بطور عادل اور رحمدل بادشاہ کے پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انکی سلطنت کے خلاف جو لوگ کوششیں کرتے تھے انہیں ناکام کر دیا گیا تھا۔ ایسا ہی حضرت یوسفؑ کی ضمنی حکومت کا بھی تذکرہ آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کس طرح دن رات بنی نوع انسان کی خیرخواہی کے لئے اپنے آپ کو مصروف رکھتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کی مضبوط سلطنت اور محکم نظام کو بھی قرآن مجید نے بطور مدح ذکر فرمایا ہے۔ ان بزرگ بادشاہوں کے مقابل پر اللہ تعالیٰ نے نمرود کا ذکر کیا ہے کہ وہ اسلئے الوہیت کا مدعی بن بیٹھا۔ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (بقرہ: ۲۵۱) کہ خدا نے اس کو بادشاہت دی تھی۔ پھر موسیٰؑ کے زمانہ کے فرعون مصر کا ذکر کیا ہے جو اپنی سلطنت پر مغرور ہو کر کہہ رہا تھا۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ کہ اتنی بڑی سلطنت کا میں مالک ہوں موسیٰؑ جیسے حقیر انسان پر کیسے ایمان لا سکتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے بادشاہِ مصر کا ذکر فرمایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی خوابیں بھی آتی تھیں اور آنے والے حوادث سے بعض دفعہ اطلاع مل جاتی تھی۔ انکی اس نیکی کا ہی اثر تھا کہ اُسے حضرت یوسفؑ جیسا وزیر خزانہ مل گیا تھا۔ بادشاہِ مصر کا قانون ملک میں سب پر حاوی تھا۔ خود حضرت یوسفؑ بھی اس قانون کے پابند تھے۔ جیسا کہ آیت مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (یوسف: ۷۶) سے ظاہر ہے۔ غرض قرآن مجید نے دُنیا میں نیکی قائم کرنے والے بادشاہوں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور درمیانی درجے کے عام نیک بادشاہوں کا بھی حال ذکر کیا ہے اور پہلے درجے کے شریر اور مفسد بادشاہوں کی حالت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ ایسے ہی مفسد بادشاہوں کے سلسلہ میں ملکہ سبا بلقیس کا یہ قول وارد ہوا ہے:۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ
اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (النمل: ۳۴)

کہ یہ بادشاہ جب کسی شہر میں غلبہ پا کر داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد پیدا کر دیتے ہیں اور اس شہر کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ شہر کے معززین کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں اور ہر طرح سے خرابی پیدا کرتے ہیں۔

اِن آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ اور حکمران اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ اچھے بادشاہ ہر طرح سے قابلِ عزت و احترام ہیں اور ان سے پورا تعاون کرنا اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا اہلِ ملک کا فرض ہے ایسے بادشاہوں کے خلاف کسی قسم کی سازش یا بغاوت روا نہیں۔ دوسری قسم کے بادشاہ جو ظلم اور تعدّی پر کمربستہ ہوتے ہیں اور مُلک کے اندر اعتقادی اور عملی فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں انکی حکومت دیرپا نہیں رہ سکتی اور اللہ تعالیٰ کی مشیّتِ کونی کے مطابق انکا

اقتدار ان سے چھین لیا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے عام سلطنت کے سلسلہ میں تیسری ہدایت یہ دی ہے کہ لوگ انتخاب کے وقت ہونے والے حکمران کی انفرادی اور اجتماعی صفات کا خیال رکھیں اور انتخاب صحیح لائنوں پر کریں۔ کیونکہ ان کی غلطی سے قوم کا مستقبل تاریک اور بھیانک بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ایک پرانا واقعہ مسلمانوں کے لئے بطور نصیحت ذکر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے:۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (بقرہ: ۲۴۶)

کہ بنی اسرائیل کے نمائندوں نے موسیٰؑ کے بعد ایک اور نبی سے درخواست کی کہ آپ ہم پر کسی کو بادشاہ مقرر فرمائیں تاکہ ہم اس کی رہنمائی میں اللہ کے راستے میں جنگ کریں۔ اللہ تعالےٰ نے اگلی آیات میں ذکر فرمایا ہے کہ ان کے نبی نے انہیں کہا کہ تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اختلاف کرنے لگ گئے۔ ان کا عذر یہ تھا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ۔ کہ طالوت چونکہ مالی وسعت نہیں رکھتا اسلئے وہ بادشاہ بننے کا مستحق نہیں۔ ہم اس کی نسبت بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس نبی نے ان کے اس سوال کے جواب میں فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ۔ کہ مالی وسعت کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اول تو طالوت کا انتخاب اللہ تعالےٰ کی خاص مشیت سے ہوا ہے۔ دوسرے اسے علم کی وسعت اور جسم کی صلاحیت حاصل ہے اور حکمرانی کا دارومدار حقیقت انہی دو چیزوں پر ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ قوم کا فرض ہے کہ انتخاب کے وقت حکمران کی ذاتی صلاحیتوں کو مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤدؑ کے سلسلہ میں فرمایا ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص: ۲۰) کہ حضرت داؤدؑ کو مضبوط سلطنت دی گئی تھی اور انہیں فصل الخطاب عطا کیا گیا تھا۔ اس جگہ فصل الخطاب سے مراد اعلیٰ درجہ کی قوت فیصلہ ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ انتخاب کے وقت انتخاب کنندوں کا فرض ہے کہ اپنے حکمران نمائندہ کی قوت فیصلہ کا بھی جائزہ لیا کریں۔

اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ذیل بھی رہنما ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا (نساء: ۵۲) کہ اگر ان لوگوں کو حکومت میں کچھ اختیارات مل جائیں تو یہ تو لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کا چھلکا (یعنی حقیر ترین چیز) بھی نہ دیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حکمرانوں کا فرض ہے کہ قومی اموال مستحقین میں تقسیم کریں۔ ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ناجائز طور پر ان اموال کو اپنے تصرف میں لائیں۔ اور نہ ہی ان کے لئے روا ہے کہ بخل سے کام لیں اور مستحق اور حاجتمند اصحاب کو محروم کر دیں۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالےٰ نے عبد صالح کا ذکر فرمایا ہے۔ جس نے یتیموں کی روزی کمانے کی کشتی کو اسلئے سوراخ کر دیا تھا تا ظالم بادشاہ اسے چھین کر اپنے تصرف میں نہ لے آئے۔ چنانچہ وہ عبد صالح کشتی کو عیب لگانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا (کہف: ۷۹) کہ دریا کی چڑھتی جانب سے ایک بادشاہ آ رہا تھا جو ہر اچھی کشتی کو غاصبانہ طور پر چھین لیتا تھا۔

اس آیت سے حکمران طبقہ کے لئے ایک قانون مستنبط ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے اموال پر غاصبانہ قبضہ نہیں کر سکتے۔ پس جمہور کا یہ فرض ہے کہ قومی حکومت کی تشکیل کرتے وقت ایسے

افراد کو اپنا نمائندہ مقرر کریں جو دوسروں کے مال کو خورد برد کرنے والے نہ ہوں اور قومی اموال میں کسی قسم کے ناجائز تصرف کا ان سے خطرہ نہ ہو۔

غرض قرآن مجید نے عام قومی سلطنت کے لئے انتخاب کا اصول مقرر کرکے اہل لوگوں کے مقرر کئے جانے کو لازم قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے نہ دین کے معاملہ میں اور نہ ہی دنیوی انتخاب میں رنگ، نسل، قوم اور وطن کو پسند کیا ہے بلکہ اس نے ہر منصب کے لئے اہلیت اور تقویٰ کو بنیاد قرار دیا ہے۔ نسلِ آدم کی مساوات کے سنہری اصول کو پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔ اسلئے تم سب یکساں ہو۔ ہاں تم کو قبیلوں اور شاخوں میں اسلئے تقسیم کیا گیا ہے تا ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے تعارف اور حسنِ سلوک کرسکو۔ ورنہ ہمارا قانون تو یہی ہے کہ تم میں سے زیادہ عزت و احترام کا مستحق زیادہ تقویٰ شعار انسان ہوگا۔"

قرآن مجید کا یہ قانون آخرت کے درجات کے لحاظ سے بھی ہے اور اس میں دنیوی نظام کے استحکام کا بھی گُر بتایا گیا ہے۔ قومی معاشرہ میں مفید اور اہل وجودوں کو ہی عزت کے مناصب پر جگہ ملنی چاہیئے۔ حکمرانی کا حق ایسے ہی انسانوں کو تفویض کیا جاسکتا ہے جو قومی امانتوں کو ادا کرنے کے اہل ہوں۔ قرآن مجید سے

معلوم ہوتا ہے کہ اہلیت کے پیشِ نظر اگر کسی وقت کوئی خاتون منصبِ حکومت کی مستحق ترین ثابت ہو تو اسے اس منصب پر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نمل میں قومِ سبا کی ملکہ کا ذکر فرمایا ہے وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ (النمل: ۲۳) قرآن مجید کا اس ذکر پر اس کی تردید نہ کرنا ہمارے استدلال کی تائید ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کے مطابق حکمرانی کے لئے اہل افراد کا انتخاب لازمی ہے اور اپنے عرصۂ حکمرانی میں وہ قانون کے پابند ہیں۔

قرآن مجید نے عام سلطنت کے سلسلہ میں چوتھی ہدایت یہ دی ہے کہ کاروبارِ سلطنت باہمی مشورہ سے سرانجام پانے چاہئیں۔ سرورِ کونین حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کہ آپ اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ لیا کریں۔ اس حکم سے ظاہر ہے کہ جب روحانی مملکت کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو عام سلطنت کے اراکین بدرجہ اولیٰ مشورہ کرنے کے لئے مکلف ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بطور قانون فرمایا ہے وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸) کہ حکومت کا کاروبار لوگوں کے باہمی مشورہ سے سرانجام پانا چاہیئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ملکہ سبا کا قول نقل فرمایا ہے۔ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ (النمل: ۳۲) کہ اے عمائدینِ سلطنت! میں ہر معاملہ تمہارے سامنے رکھ کر اور تمہارے مشورہ سے طے کرتی ہوں۔ اب حضرت سلیمانؑ کے اس خط کے بارے میں آپ لوگ مجھے مشورہ دیں۔"

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ قرآنی نظریہ حکومت یہی ہے کہ اربابِ حل و عقد مشورہ سے معاملات طے کیا کریں اور ملکی پالیسی میں عوام کی صوابدید پر عمل پیرا ہوں۔

عمومی سلطنت کے سلسلہ میں قرآن مجید نے پانچویں ہدایت یہ دی ہے کہ حکومت کے لیے منتخب نمائندوں کا فرض ہے کہ وہ حکمرانی کو اللہ تعالیٰ کا حق سمجھیں۔ اور اپنے آپ کو اس حصہ میں محض مشیت ربانی کے نافذ کرنیوالے قرار دیں۔ اسے خدا تعالیٰ کا ایک احسان سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو ضمنی اختیار بخشا تھا یعنی انہیں مصر کی بادشاہت میں وزیر خزانہ مقرر کیا گیا تھا حضرت یوسفؑ اسے نعمتِ خداوندی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ (یوسف: ۱۰۱) خداوندا یہ سراسر تیرا احسان ہے کہ تونے مجھے یہ اقتدار بخشا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ایک حاکم حکومت کو الٰہی امانت سمجھے گا اور اُسے اپنے اُوپر انعام قرار دے گا تو وہ اس حکومت کی خیر خواہی اور بہبودی کیلئے امکان بھر کوشش کرتا رہے گا اور اسے ہر حال میں حکومت کا مفاد ہی مقدم ہوگا۔ ایسا حکمران ملک سے رشوت ستانی کا خاتمہ کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ (بقرہ: ۱۸۸) کہ تم حکام کو رشوت دیکر لوگوں کے اموال کو ناجائز طور پر مت کھاؤ۔ وہ افراد کو بھی رشوت دینے سے منع کریگا اور اس بات کی بھی نگرانی کرے گا کہ حکام میں سے کوئی شخص رشوت نہ لے۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایسے حکام کا تقرر منع ہے جو رشوت خوری کا ارتکاب کرتے ہوں۔ ہم نے یہ تو ایک مثال ذکر کی ہے ورنہ تمام جرائم کا انسداد اصحابِ حکومت کا فرض ہے۔ اور تمام اعمالِ صالحہ کا اجراء ان کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ ایسے حکام پر لازم ہے کہ تمام امور پر نگاہ رکھتے ہوئے ملک کی خوشحالی اور افراد کی بہبودی میں ہمہ تن ایسے مصروف ہوں کہ اہلِ ملک کے دلوں میں اطمینان اور سکینت پیدا ہو جائے۔ اور لوگ فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانے میں منہمک ہو جائیں۔ ایسی ہی ایک سلطنت کے ذکر پر فرمایا گیا ہے :-

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ (بقرہ: ۲۴۸)

کہ اس بادشاہت کی علامت یہ ہوگی کہ قلوب پر سکینت طاری ہوگی اور دلوں میں اطمینان ہوگا۔

اس اطمینان کا اقل درجہ قرآنی تعلیم کے مطابق یہ ہے کہ سلطنت کے ہر فرد کو کھانے کے لئے خوراک، پہننے کے لئے کپڑے اور رہنے کے لئے مکان میسر ہو۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى (طٰہٰ: ۱۱۸-۱۱۹) قرآن مجید نے یہ امر بھی حکومت کی اوّلین ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ اپنے ملک کے تمام لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کا اچھا انتظام کرے۔

ظاہر ہے کہ یہ سارے امور اسی وقت باسلوبِ احسن سرانجام دیئے جا سکتے ہیں جبکہ اصحابِ اقتدار کی ذہنیت قرآنی ہدایت کے مطابق ہو اور وہ اپنے آپ کو قوم کا خادم سمجھیں اور خدا تعالیٰ کی عطا کو نعمت قرار دیں۔

عام اسلامی سلطنت کے بارے میں قرآن مجید کی چھٹی ہدایت یہ ہے کہ اگر اولوالامر (حکمران افراد) اور عام لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے قانونِ ربانی اور سنتِ نبوی کے مطابق حل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى
اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء: ۵۹)

کہ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو اور اپنے حکمرانوں کی بھی اطاعت کرو۔
ہاں اگر تم میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو اسے
حل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
کی طرف لوٹاؤ۔"

اس آیت میں لفظ اولی الامر منکم کہہ کر منتخب نمائندوں کی اطاعت کی ترغیب دی ہے۔ لفظ "منکم" سے ایک لطیف نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکمران تمہارے اپنے ہی انتخاب کردہ ہیں ان کی اطاعت کو غیر کی اطاعت نہ سمجھو بلکہ اپنی ہی اطاعت سمجھو۔ اس طرح سے طبائع پر اطاعت کا جو گونہ بوجھ محسوس ہوتا ہے اسے ہلکا کر دیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حکومت کے ارکین انتخاب سے ہونے چاہئیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی اس ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی سلطنت ڈکٹیٹرانہ اور مستبدانہ حکومت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ہمیشہ جمہوری اور عوام کی نمائندہ حکومت ہوگی۔ اسکے ارکان نہ صرف انتخابی ہوں گے بلکہ قانون الہٰی کے پابند ہوں گے اور ان میں اور عوام میں اختلاف کی صورت میں ان کا اپنا قول قانون نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کا قانون اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سب کے لئے، حکمرانوں کے لئے بھی اور عوام کے لئے بھی واجب الاتباع ہوگا۔

پس قرآن مجید مسلمانوں کی سلطنت کو نمائندہ اور قانونی حکومت ٹھہراتا ہے اور کسی صورت میں اسے استبدادی حکومت بننے کی اجازت نہیں دیتا۔

عام اسلامی سلطنت کے لئے قرآن مجید کی ساتویں ہدایت یہ ہے کہ لوگوں کو آزادیٔ رائے اور حریتِ ضمیر سے کسی صورت میں محروم نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بارے میں بھی کسی قسم کے جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ کہ دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر جائز نہیں ہے بمشورہ کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے آزادیٔ رائے کا احترام پیدا فرمایا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام والے فرعونِ مصر کے زمانہ کے طرزِ حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے بعض اچھے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اپنی پارلیمنٹ میں پیش کیا اور قوم سے حضرت موسیٰؑ کے قتل کی منظوری لینی چاہی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے "رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" کی تقریر کا ذکر بھی فرمایا۔ اس شخص نے آزادانہ طور پر قوم کے نمائندوں سے کہا تھا:۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ
فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ
اللّٰهِ إِنْ جَاءَنَا (المومن : ۲۹)

کہ اے میری قوم! آج تو تم زمین پر حکمران ہو
اور تمہیں اختیارات حاصل ہیں لیکن یہ بھی سوچ لو
کہ کل کو اگر خدا کا عذاب ہم پر آگیا تو اس سے
کون بچائے گا اور اس وقت ہماری مدد کون
کرے گا؟"

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جہاں عام حکومت میں نمائندوں کے ذریعہ سے عوام کی نمائندگی ہونی چاہیئے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان نمائندوں کو اپنی رائے کے اظہار میں پوری پوری آزادی حاصل ہو، نیز تمام گفتگو دلیل پر مبنی ہونی چاہیئے۔

عام سلطنت کے لئے قرآن مجید کی آٹھویں ہدایت یہ ہے کہ چونکہ اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور حیوانات کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ (یٰس : ۷۲) کہ ہم ان کو پیدا کرتے ہیں اور پھر انسانوں کو ان جانوروں کا مالک قرار دیتے ہیں۔ پس عام اسلامی سلطنت کا بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کی

انفرادی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ نہ کرے اور نہ ہی انہیں
اپنی متملکات میں جائز تصرف سے روکے۔ بلکہ اگر کوئی
فرد یا جماعت کسی کی ملکیت پر ظالمانہ قبضہ کرنا چاہے تو
حکومت کا فرض ہے کہ ایسے شخص کا ہاتھ روکے۔ ہاں حکومت
کو حق ہے کہ نظامِ حکومت کو چلانے کے لئے اور ملک کے
مستحق افراد کی صحیح خبرگیری کے لئے جن اخراجات کی ضرورت
پیش آئے وہ صاحبِ ثروت افراد سے وصول کرے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (توبہ: ۱۰۳) کہ مسلمانوں
کے مال سے ایک رقم صدقہ دلانے طور پر ان سے وصول
کی جاتی تا ان میں پاکیزگی پیدا ہو اور قومی طور پر نشوونما
ہو سکے۔

حکومت ایسے مصارف کے لئے غیر مسلموں سے بھی اُن
کی کمائی پر مناسب ٹیکس وصول کرنے کی مجاز ہے جس طرح
ان کے مستحق افراد کی پوری پوری خبرگیری کی ذمہ دار ہے۔
اسلام نے عام اسلامی سلطنت کو بھی خدا اور رسولؐ کے
نام پر اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ اپنی حدودِ سلطنت
میں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی جان، مال، عزت و آبرو
اور مذہب کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اس ذمہ داری
کو ہر وقت یاد دلانے کے لئے اصطلاحاً ان لوگوں کو
ذِمّی کہا جاتا ہے۔

عام اسلامی سلطنت کے لئے قرآن مجید نے نویں
ہدایت یہ دی ہے کہ وہ تمام معابد کی حفاظت کی
ذمہ دار ہے۔ مسلمانوں کی مساجد ہوں، یہودیوں کے گرجے
ہوں، عیسائیوں کے کنیسے ہوں یا اور دوسری قوموں
کی عبادت گاہیں ہوں قرآن مجید یکساں طور پر اُن کی حفاظت
اور صیانت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (الحج: ۴۰)

کہ اگر اللہ تعالیٰ ظالم انسانوں کا ہاتھ دوسرے
انسانوں کے ذریعہ سے نہ روکتا تو پھر تو یہود
کے معبد، عیسائیوں کے صوامع اور دوسری قوموں
کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد محفوظ
نہ رہ سکتیں۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدائی منشاء کو پورا کرنے
کے لئے اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ تمام معابد کی حفاظت
کرے اور کسی غیر کو بھی دوسروں کی عبادتگاہوں پر قبضہ
کرنے یا انہیں مسمار کرنے کی اجازت نہ دے بلکہ ہر قوم کا
حق ہے کہ اس کا معبد اس کے پاس رہے اور وہ آزادی
سے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں یہ بھی ہدایت دی ہے
کہ اگر کسی قوم نے بغض و کینہ سے مسلمانوں پر زیادتی بھی
کی ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے روا نہیں کہ وہ عدل و
انصاف کو ہاتھ سے دیں۔ فرمایا:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ
أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ: ۸)

کہ کسی قوم کی عداوت تمہیں جادۂ عدل
و حق پرستی سے منحرف نہ کر دے۔ تم ہر حال عدل پر
قائم رہو کیونکہ عدل ہی تقویٰ کے قریب ہونے
کا موجب ہے۔"

پس اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ عام امن اور انصاف
کے علاوہ معابد کی حفاظت اور عبادت کی آزادی کی پوری
پوری نگرانی کرے۔

عام اسلامی سلطنت کے سلسلہ میں قرآن مجید نے دسویں
ہدایت یہ دی ہے کہ حکومت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کرنے کی ذمہ دار ہے۔ افراد کی تعلیم و تربیت اس کا فرض ہے اور ملک کے تمام حصوں سے بدی اور جرم کا قلع قمع کرنا اس کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی سلطنت کے اراکین کے متعلق فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا
عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ
الْاُمُوْرِ (الحج ۱۱:۴)

کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو طاقت ملیگی تو وہ عبادت کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا پختہ انتظام کرینگے نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے پوری طرح منع کریں گے۔ تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔"

اس آیت میں عمائد سلطنت کا فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے ہوں، امر بالمعروف کرنے والے ہوں اور نہی عن المنکر کرنے والے ہوں۔ ان چار صفات کے اراکین حکومت کی اساس اور بنیاد کو محکم کرنے والے ہیں۔

پس حکومت کا فرض ہے کہ ملک کو امن کا گہوارہ بنائے اور تعلیم کو عام کرے اور نیکی کو قائم کرے اور جرائم اور بدیوں کو نیست و نابود کرے۔ اس سے ملک میں اطمینان اور آشتی پیدا ہوگی اور سب لوگ فارغ البالی سے زندگی بسر کریں گے۔

قرآن مجید کی ہدایات میں سے ہم نے یہ دس ہدایات درج کی ہیں۔ اگر حکومتیں ان کی پابندی اختیار کریں تو دنیا میں پھر امن و سلامتی کا دور دورہ ہو سکتا ہے اور انسانیت اپنے ارتقاء کو پہنچ سکتی ہے ✽

القصیدۃ

(کلام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام)

قدتك النفس يا خير الأنام ۔ رئينا نور نبأك فى الظلام
رئينا اٰية تسقى و تروى ۔ وتشفى العاقلين من السقام
رئينا النيّرين كما اشرت ۔ قد انخسفا لتنوير الانام
بحمد الله قد خسفا وكانا ۔ شريكى محسن ايّام الصيّام
اتانا النصر بعد ثلث مائةٍ ۔ وبعد مرور مدّة الف عام
بدا امر يعين الصادقينا ۔ ولا يُبْقى شكوك ذوى الخصام
بدا ابطل يحارب كلّ خصم ۔ ويضرب بالصوارم والسهام
فليس لمنكر عذر صحيح ۔ سوى التسويل زورا كالحرام
فهذا يوم تهنيةٍ وفتح ۔ وتنجية الخلائق من اثام
اذا ما عمّي قومى من جواب ۔ فما لوا نحو هٰذى كالجهام

قرآنی آئین کی چند اہم دفعات

ضروری تمہید قرآن مجید ان معنوں میں ہرگز آئین و دستور کی کتاب نہیں کہ وہ ایک ہی بنائی خاص مملکت کے چلانے کے لئے چند دفعات پر حاوی ہو۔ اسلئے قرآنی آئین کو سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ پہلے یہ تشریح کر دی جائے کہ قرآن مجید کن معنوں میں آئین و دستور ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ رب العالمین کی کامل کتاب ہے۔ اس کامل کتاب میں تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی، ان کی تربیت و تعلیم، ان کے تمدن و اقتصادی امور، ان کی سیاست و اخلاق اور ان کے روحانی ارتقاء کے لئے کامل قوانین موجود ہیں۔ وہ انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیتا ہے، وہ اسے زمینی کی بجائے آسمانی بنا دیتا ہے، اسے اپنے خدا سے واصل کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے دعوے والی اس مختصر کتاب میں یہ سب امور حق و حکمت کے ساتھ ہی بیان کئے جا سکتے ہیں اور اس کان کے نادر موتیوں تک انہی لوگوں کی رسائی ہو سکتی ہے جو روحانی ریاضات شاقہ برداشت کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو مطہر و مزکی بناتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الواقعہ: ۸۰) کہ اس قرآن کو حقیقی طور پر وہی لوگ چھو سکتے ہیں یعنی اس کے حقائق و معارف پر اطلاع پا سکتے ہیں جو پاکباز اور مطہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب خدا رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

جس طرح مادی کائنات عالم میں معدنیات مخفی ہیں، کانیں نظروں سے اوجھل ہیں، لولو اور مرجان سمندر کی تہ میں ہوتے ہیں اسی طرح قرآن کریم بھی ایک روحانی عالم ہے۔ اس کے ہیرے، موتی اور جواہر بھی مخفی ہیں۔ ان تک پہنچنے کے لئے بھی بڑی محنت درکار ہے، ان کے پانے کے لئے بھی غواصی شرط ہے، ان کے حاصل کرنے کے لئے بھی کوہ کنی کی ضرورت ہے۔

ہم قرآن مجید کو ان معنوں میں آئین و دستور کی کتاب مانتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسلوب کے مطابق انسانوں کی سب ضروریات کا علاج ذکر فرمایا ہے۔ تلاش کرنے والوں، جستجو کرنے والوں، ڈھونڈنے والوں پر قرآنی راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ کھٹکھٹانے والوں پر تو دروازے کھولے جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن ساری نسل انسانی کے لئے دستور ہے اور اس میں سب زمانوں کی مشکلات کا حل بتایا گیا ہے اسلئے اس کا انداز بیان بھی نرالا ہے اور اس کا اسلوب تحریر بھی اپنا ہے۔ سب زمانوں کے لوگ اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے رہیں گے اور سارے اہل علم اس پاک کتاب سے علوم کا استنباط کرتے رہیں گے ؎

كل العلم في القرآن لكن
تقاصر عنه افهام الرجال

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم سارے قرآن مجید پر شروع سے آخر تک ایک نظر ڈال کر نہایت اختصار سے ان اہم امور کو درج کرتے ہیں جن پر انسانیت کی بنیاد ہے۔ وھو الموفق۔

قرآنی آئین کی چند دفعات

(۱) اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق اور رب ہے وہی سب تعریفوں کا حقیقی مستحق ہے۔ چونکہ سب انسان ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں اسلئے سب مساوی اور بھائی بھائی ہیں۔ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت الحمد للہ رب العلمین میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور بنی نوع انسان کی مساوات کا اعلان ہے۔

(۲) کائنات کا مالک اور حاکم اور جزا و سزا دینے والا ایک خدا ہے اسی کو حق حکمرانی حاصل ہے۔

(۳) قانون کے مطیع افراد قانونی حفاظت کے مستحق ہیں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور آیت فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ سے بھی یہ قانون مستنبط ہے۔

(۴) سب الہامی کتابوں اور تمام آسمانی مذاہب کے بانیوں پر ایمان لانا اور ان کا احترام کرنا فرض ہے۔

(۵) قیامت یعنی جزا و سزا پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۶) عبادت کا حقیقی مستحق صرف خالق و مالک احد خدا ہے۔

(۷) زمین کے سب خزانے تمام آدم زادوں کے لئے ہیں۔ اور زمین سے استفادہ کا حق تمام انسانوں کو حاصل ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔

(۸) قائم شدہ حکومت کے خلاف بغاوت حرام ہے۔ ایسا کرنے والے قانون کی نظر میں مجرم ہیں۔

(بقرہ : ۲۹)

(۹) ہر بات اور ہر دعویٰ کو دلیل و برہان سے ماننا اور منوانا ضروری ہے۔ جبر اور تشدد کی اجازت نہیں ہے۔ فرمایا قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ : ۱۱۱) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ : ۲۵۶)

(۱۰) ہر قوم کے معبد ان کے لئے آزاد ہیں۔ کوئی شخص معابد اور مساجد میں ذکر الٰہی سے روکنے کا مجاز نہیں۔ (بقرہ : ۱۱۴)

(۱۱) رسول کے چار بنیادی فرض ہیں۔ (الف) احکام خداوندی کی تلاوت (ب) شریعت کی تعلیم (ج) احکام الٰہی کا فلسفہ سکھانا۔ (د) تزکیۂ نفوس (بقرہ : ۱۲۹)

(۱۲) تمام انبیاء کی مشترکہ تعلیم امر وحی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (بقرہ : ۱۳۶)

(۱۳) ہر شخص کو اپنے نظریات کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے اور مسلمان تمام نیکیوں میں سبقت لیجانے کے لئے مکلف ہیں۔ (بقرہ : ۱۴۸)

(۱۴) قومی وحدت کے لئے کعبۃ اللہ تمام مسلمانوں کا قبلہ مقرر کیا گیا ہے۔ (بقرہ : ۱۵۰)

(۱۵) اسلامی معاشرہ ایمان اور عمل صالح پر مبنی ہے۔ ایمان میں اللہ، قیامت، فرشتے، کتابیں اور سب نبی شامل ہیں۔ اعمال صالحہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مانگنے والوں، مقروضوں کی مالی امداد شامل ہے۔ ایسا ہی اور تمام نیک اعمال، ایفاء عہد، صبر و استقلال اور سچائی اسلامی معاشرہ کے لئے بنیادی امور ہیں۔

(۱۶) قاتل کو اس کے جرم کی سزا دینا یعنی قصاص لینا قوم میں زندگی پیدا کرنے کا موجب ہے لیکن یہ قصاص منصفانہ ہونا چاہیئے۔ یعنی قاتل ہی کو سزا دی جائے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت (بقرہ ۱۷۸)

(۱۷) اموال ہر شخص کی اپنی ملکیت ہیں۔ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنا اور حکام کو رشوت دینا سب حرام ہے۔ (بقرہ : ۱۸۸)

(۱۸) مسلمان صرف ان لوگوں سے ہی جنگ کرنے کے مجاز ہیں جو خود لڑائی میں پہل کرتے ہیں۔ یہ دفاعی جنگ بھی اُس وقت تک جاری رہ سکتی ہے جبتک مذہبی آزادی قائم نہ ہو جائے (بقرہ ۱۹۰ تا ۱۹۳)

(۱۹) ملک میں فتنہ و فساد پھیلانا اور مذہبی تشدد کی تلقین کرنا خونریزی سے بھی بدتر جرم ہے (بقرہ ۲۱۷)

(۲۰) قوم کے یتیموں کی خبرگیری قومی فریضہ ہے۔ انہیں ایسے طور پر زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جانا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں کا بھائی سمجھ سکیں اور معاشرہ کا مفید وجود بن سکیں۔ (بقرہ ۲۲۰)

(۲۱) بیویوں اور خاوندوں کے حقوق روحانی اور تمدنی طور پر یکساں اور مساوی ہیں۔ مردوں کو عورتوں پر صرف آئینی برتری حاصل ہے۔

(بقرہ : ۲۲۸)

(۲۲) خرید و فروخت کے ساتھ اپنے مال کو بڑھانا جائز ہے لیکن سودی کاروبار حرام ہے۔ (بقرہ : ۲۷۵)

(۲۳) واقعات کے متعلق کتمانِ شہادت ایک قومی جرم ہے۔ اس جرم کا مرتکب اپنے دل کو زنگ آلود کرتا ہے۔ (بقرہ : ۲۸۳)

(۲۴) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر انسان اسی قدر ذمہ دار اور جوابدہ ہے جس قدر اسے طاقت اور وسعت حاصل ہے۔ (بقرہ : ۲۸۶)

(۲۵) عقیدۂ قیامت برحق ہے۔ ایک دن آئے گا جب سب انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت کا کامل ظہور ہوگا۔ (آل عمران : ۲۵، ۲۶)

(۲۶) محبوب الٰہی بننے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع لازمی ہے۔ (آل عمران : ۳۱)

(۲۷) تمام اہل کتاب کو چاہیئے کہ مشترکہ امور میں مل کر کام کریں۔ توحید کا مسئلہ سب مذاہب کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔ سب کو توحید پر جمع ہو جانا چاہیئے۔ (آل عمران : ٦۴)

(۲۸) کسی انسان کو خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو یہ حق نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی تلقین کرے۔ معبود ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(آل عمران : ۷۹)

(۲۹) تمام اُمت کا فرض ہے کہ کتاب الٰہی (حَبْلُ اللّٰہ) پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں اور دیا ہم کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا ہونے دیں۔ (آل عمران : ۱۰۳)

(۳۰) سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ امر بالمعروف کریں اور نہی عن المنکر۔ اسی بناء پر وہ خیر اُمت کہلانے کے مستحق ہیں۔ (آل عمران : ۱۱۰)

(۳۱) سُود ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی۔ (آل عمران : ۱۳۰)

(۳۲) مومنوں کی حالت سُدھارنے کے لئے اور خبیث اور طیب میں فرق کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ رسول منتخب کرتا رہے گا۔ (آل عمران : ۱۷۹)

(۳۳) قرآنی تعلیم کے مطابق نیک اعمال بجا لانے والے مرد ہوں یا عورتیں ان سب کو دُنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دیا جائے گا اور عورتوں کی کسی طرح حق تلفی نہ کی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۹۵)

(۳۴) یتامیٰ کی نگہداشت قومی فریضہ ہے ان کے اموال کی حفاظت از بس ضروری ہے (النساء : ۲، ۱۰)

(۳۵) ضرورت کے وقت عدل و انصاف اور مقررہ حقوق کی کامل ادائیگی کے ساتھ چار شادیوں تک اجازت ہے مگر یتیم لڑکیوں سے شادی کے بارے میں ان کے حقوق کی حفاظت کے متعلق مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔ (النساء ۳)

(۳۶) فوت ہونے والے انسان کے مال کے وارث اسکے رشتہ داروں میں سے مرد بھی ہوں گے اور عورتیں بھی سب کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔

(النساء : ۷)

(۳۷) شریعت نے قریبی رشتہ دار عورتوں سے شادی حرام کر دی ہے جس کی تفصیل سورہ نساء میں بیان ہوئی ہے۔

(۳۸) مسلمان مرد و عورتیں گھریلو زندگی کو جنت بنانے کے یکساں ذمہ دار ہیں۔ مرد اپنے فرائض ادا کریں اور عورتیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں۔ مرد کے ذمہ اخراجات فراہم کرنے کی اہم ذمہ داری ہے اسلئے وہ نگران ہے اور بیوی گھر کی مالکہ ہے۔

(النساء : ۳۴)

(۳۹) اگر میاں بیوی میں انتہائی درجہ کی مستقل ناچاقی پیدا ہو جائے اور مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو بذریعہ طلاق یا خلع علیحدگی ہو سکتی ہے۔ (النساء   )

(۴۰) توحید کے قیام کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی خدمت بھی ضروری ہے۔ دیگر رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسی رشتہ داروں، عام پڑوسیوں، ساتھیوں اور مسافروں بلکہ تمہارے قبضہ کے جانوروں سے بھی حسن سلوک کرنا تم پر فرض ہے۔

(النساء : ۳۶)

(۴۱) اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور تمام حکمرانوں کی جو قوموں کی رائے اور مشورہ سے منتخب ہوں گے اطاعت فرض ہے۔ ہاں اگر عام پبلک اور حکمرانوں میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو خدا اور اس کے رسولؐ کے قانون کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ (النساء : ۵۸، ۵۹)

(۴۲) ملک میں افواہیں پھیلانا قومی جرم ہے (نساء : ۸۳)

(۴۳) مومن کے قتل خطا کی مختلف حالتوں میں مختلف سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ (نساء : ۹۲، ۹۳)

(۴۴) گھریلو اور قومی جھگڑوں میں صلح کرنا ہی بہتر ہے۔

(نساء : ۱۲۸)

(۴۵) ایک سے زیادہ شادیوں کی صورت میں اس بات کی خاص نگرانی کی جائے گی کہ مرد کسی ایک بیوی کی طرف زیادہ جھک کر دوسری کے حقوق تلف تو نہیں کر رہا اور اس نے اسے معلقہ تو نہیں بنا رکھا۔

(نساء : ۱۲۹)

(۴۶) سچی گواہی دینا فرض ہے خواہ وہ ماں باپ یا خود اپنے ہی خلاف جاتی ہو۔ کسی کے غریب یا امیر ہونے کے باعث گواہی میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔

(نساء : ۱۳۵)

(۴۷) انفرادی، قومی اور جماعتی عہد و پیمان کی پابندی لازم ہے۔ (المائدہ : ۱)

(۴۸) دوسری قوموں کی تم سے دشمنی کے باوجود تم کو اجازت نہیں کہ انصاف کو ترک کرو۔ تم بہرحال ایصالِ خیر اور ترک شر پر تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے لئے ایک دوسرے کے مددگار نہ ہو۔

(المائدہ : ۲، ۸)

(۴۹) ہر جان کی حفاظت کے لئے یہ قانون ضروری ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو بلا وجہ قتل کرے وہ گویا سارے انسانوں کا قاتل ہے۔ نیز باغی، مفسدوں کی سرکوبی کے لئے انہیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ (المائدہ : ۳۲، ۳۳)

(۵۰) شراب خوری، جوا بازی اور تمام شرکیہ افعال و مکانات سے اجتناب ضروری ہے (المائدہ : ۹۰)

(۵۱) تمدن اور حکومت کی جن جزئیات کے بارے میں قرآن مجید نے خاموشی اختیار کی ہے ان کے متعلق

مناسب حال قانون مقرر کر سکتے ہو۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(۵۲) مشرکوں کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہو ورنہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہلانے کے تم ذمہ دار ہوگے۔ پس کسی کے عقیدہ کو توہین آمیز طریق سے مت ذکر کرو۔ (الانعام: ۱۰۸)

(۵۳) جن چیزوں کے کھانے کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے جیسے مردار اور سؤر وغیرہ ہیں اگر اضطراری حالت ہو جائے تو زندگی بچانے کے لئے ان کا استعمال روا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

(۵۴) ظاہری بدیوں سے بھی بچنا لازمی ہے اور مخفیہ اور باطنی بدیوں سے بھی اجتناب ضروری ہے۔ اپنے بچوں کو کسی طرح بھی قتل نہ کرو (الانعام: ۱۵۱)

(۵۵) ہر شخص اپنے اقوال و افعال کا ذمہ دار ہے۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

(الانعام: ۱۶۴)

(۵۶) معاہدات توڑنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے مرتکب بدترین خلائق سمجھے جائیں گے۔ (الانفال: ۵۵، ۵۶)

(۵۷) جنگ کا آغاز بے شک دشمنوں کی طرف سے ہوا ہے لیکن کسی مرحلہ پر بھی وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو ان کی اس پیشکش کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے قبول کر لیا جائے۔ (انفال: ۶۱، ۶۲)

(۵۸) عملی جنگ میں لڑنے والوں کو ہی جنگی قیدی بنایا جا سکتا ہے۔ (الانفال: ۶۷)

(۵۹) جن کافر حکومتوں یا قوموں سے تمہارے معاہدات ہیں تم ان کے خلاف اپنے مسلمان مظلوم بھائیوں کی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ (انفال: ۷۲)

(۶۰) دائمی طور پر ہر سال کے بارہ مہینے ہوں گے۔ ان میں سے چار مہینے (حج کی خاطر) ایسے ہیں جن کا احترام خاص طور پر ہونا چاہیئے۔ (توبہ: ۳۶)

(۶۱) زکوٰۃ اپنے مصارف میں خرچ کی جائے۔ مصارف میں فقراء، مساکین، کارکن، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کی آزادی، مقروضوں وغیرہ کی امداد، مسافروں کے لئے سہولتیں فراہم کرنا اور جہاد کی ضروریات شامل ہیں۔ (توبہ: ۶۰)

(۶۲) اللہ تعالیٰ کو ہر ظاہر اور باطن کا علم ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی اور صالح انسانوں کو خدا کی طرف سے اس دنیا میں بھی بشارتیں ملتی ہیں۔ یہ ایمان اسلامی معاشرہ کی روحانی بنیاد ہے۔ (توبہ: ۶۱-۶۴)

(۶۳) دنیا پر حکمرانی کا اصل حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اس کا حکم ہے کہ اس کے غیر کی عبادت نہ کی جائے۔ (یوسف: ۴۰)

(۶۴) اہل آدمیوں کو حکومت کے مناصب دیئے جائیں جیسا کہ فرعون مصر نے حضرت یوسفؑ کو جیل سے بلا کر وزیر خزانہ بنا لیا تھا۔ (یوسف: ۵۴)

(۶۵) ہر شخص کا فرض ہے کہ قائم شدہ حکومت کے قانون کی پابندی کرے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے نمونہ قائم کیا ہے۔ (یوسف: ۷۶)

(۶۶) قوموں کی حالت ان کے کردار کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے (الرعد: ۱۱)

(۶۷) نفع رساں اشیاء دیرپا ہوتی ہیں۔ نفع مند قوانین ہی جاری رہنے چاہئیں۔ (الرعد: ۱۷)

(۶۸) انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں۔ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہوتے۔ براہ راست اقتدار کا نشان دکھانا ان کی مقدرت سے باہر ہے۔ ہاں وہ خدائی وحی کے مورد ہوتے ہیں۔ (ابراہیم: ۱۱)

(۶۹) ہر قوم میں نبی اور رسول گزرے ہیں۔ وہ خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کرتے اور شرک سے

روکتے تھے وہ سب واجب الاحترام ہیں۔
(النحل : ۳۶)

(۷۰) لڑکی کی پیدائش پر افسردگی اختیار کرنے والوں کی ذہنیت ہر طرح سے قابلِ مذمت ہے۔
(النحل : ۵۹)

(۷۱) مذہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ ایصالِ خیر کی تین کیفیتیں ہیں۔ بے حیائی کے کاموں، ناپسندیدہ کاموں اور ہر طرح کی بغاوت سے بچنا ضروری ہے۔
(النحل : ۹۰)

(۷۲) اعمالِ صالحہ بجا لانے والے مرد ہوں یا عورتیں سب کو دنیا و آخرت میں بہترین زندگی ملے گی۔
(النحل : ۹۷)

(۷۳) ایمان یا کفر اختیار کرنے میں ہر شخص کو آزادی ہے ہاں انسان اپنے اعمال کی جزا و سزا برداشت کرے گا۔ (الکہف : ۲۹)

(۷۴) روزی کمانے کے ذرائع اختیار کرنے میں بھی ہر شخص کو آزادی ہے۔ بادشاہ زبردستی چیزیں چھیننے کے مجاز نہیں۔ (الکہف : ۷۹)

(۷۵) ملی اور قومی ضروریات کے لئے افراد سے چندہ لیا جا سکتا ہے۔ (الکہف : ۹۶)

(۷۶) حکومت لوگوں کو خوراک، لباس، مکان ایسی لازمی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے۔
(طٰہٰ : ۱۱۸-۱۱۹)

(۷۷) مالداروں کا مال زبردستی چھیننا تو کجا اسکی طرف ایسی نظر سے دیکھنا بھی پسندیدہ نہیں کہ کاش یہ مال مجھے مل جائے۔ (طٰہٰ : ۱۳۱)

(۷۸) ضروری نہیں کہ ہر معاملہ کی تفہیم زیادہ عمر والے انسان کو ہی ہو۔ (الانبیاء : ۷۹)

(۷۹) خالص مذہبی اختلافات کے فیصلے کے لئے اللہ تعالےٰ نے قیامت کا دن مقرر فرمایا ہے۔ (الحج : ۱۷)

(۸۰) مومن دفاعی جنگ کر سکتے ہیں۔ مساجد اور معابد کی حفاظت کے لئے بھی جنگ روا ہے۔
(الحج : ۳۹-۴۰)

(۸۱) ترکِ وطن پر مجبور کئے گئے لوگوں کے لئے بہترین ٹھکانے بنانا خدا کی منشاء کو پورا کرنا ہے۔
(الحج : ۵۹)

(۸۲) اشاعتِ فحشاء بھی قومی جرم ہے۔ بدکاری پر سو درے لگائے جائیں تو جھوٹے الزام لگانے والوں کے لئے بھی اسّی درے کی سزا مقرر ہے
(النور : ۳-۴)

(۸۳) بدی کو اسکے آغاز اور سرچشمہ سے روکنا چاہیئے۔ اسلئے غیر محرم عورتوں کی طرف نظر بھر کر دیکھنا منع ہے اور عورتوں کا فرض ہے کہ اپنی زینت خاوند اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اوروں پر ظاہر نہ کریں۔ (النور : ۳۱)

(۸۴) اسلامی معاشرہ ان انسانوں پر قائم ہے جو تجارت وغیرہ میں پورے انہماک کے باوجود حقوق اللہ عبادت وغیرہ کی ادائیگی سے غافل نہیں ہوتے۔
(النور : ۳۷)

(۸۵) اسلامی سلطنت یعنی خلافت خدائی انعام ہے۔ یہ نظامِ دین کی تمکنت اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدلنے والا ہے اور توحید کا قیام اس کا نصب العین ہے۔ (النور : ۵۵)

(۸۶) اہلِ ملک کو تفرقہ میں مبتلا کر کے کمزور کرنا فرعونی مذموم طریقہ ہے۔ (القصص : ۴)

(۸۷) اموال کو جمع کر کے بند کر دینا قارونیت ہے۔ خدا کے دیئے ہوئے مال کو بنی نوعِ انسان کے

فائدے کے لئے پھیلانا لازمی ہے۔
(القصص : ۷۷)

(۸۸) انسانی فطرت پاکیزگی پر پیدا کی گئی ہے۔ اصل نیکی ہے۔ (الروم : ۳۰)

(۸۹) خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق حتیٰ کہ ماں باپ کی بھی اطاعت نہ کی جائے۔ (لقمان : ۱۵)

(۹۰) ذمہ دار افراد دوہری سزا اور دوچند جزا کے مستحق ہیں۔ کیونکہ لوگ ان کے نمونہ کی تقلید کرتے ہیں۔ (احزاب : ۳۰-۳۱)

(۹۱) اسلامی معاشرہ میں جن اعلیٰ صفات سے متصف ہونا افراد کا فرض ہے ان میں مرد اور عورتیں سب یکساں ہیں۔ (احزاب : ۳۵)

(۹۲) فیصلہ کرنے والے ججوں کی نزاہت ہر قسم کے شبہ سے بالا ہونی چاہیئے۔ ہوائے نفس کے مطابق فیصلہ کرنے والے سخت گرفت میں ہوں گے۔

(ص : ۲۶)

(۹۳) روحانی اور دنیوی ترقی کا مدار امید پر ہے اسلئے قوم میں کسی قسم کی قنوطیت پیدا نہ ہونی چاہیئے۔

(الزمر : ۵۳)

(۹۴) زمین کے سارے خزانے جستجو کرنے والوں کیلئے مساوی طور پر کھلے ہیں۔ (فصلت : ۱۰)

(۹۵) سزاؤں میں بھی رحمت اور اصلاح کا پہلو غالب ہونا چاہیئے۔ اس طرح قوم میں محبت اور اچھے تعلقات پیدا ہوں گے۔ (فصلت : ۳۴-۳۵)

(۹۶) مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔ (شوریٰ : ۳۸)

(۹۷) جنگی قیدیوں کو احسان کے طور پر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ (محمدؐ : ۴)

(۹۸) قوموں اور افراد میں صلح کرانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اس کیلئے مناسب قواعد وضوابط مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ (الحجرات : ۹)

(۹۹) سب انسان باہم مساوی ہیں ان میں صرف تقویٰ کی بنا پر ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ (الحجرات : ۱۳)

(۱۰۰) خفیہ سوسائٹیاں بنانا جن کا مقصد امن کو خراب کرنا اور اہل ملک کو تکلیف دینا ہے منع ہے۔ (المجادلہ : ۹،۱۰)

(۱۰۱) اموال غنائم وغیرہ کی تقسیم ایسے طور پر ہونی چاہیئے کہ ایسا نہ ہو سکے کہ امیر اور زیادہ امیر بن جائیں اور غریب اپنی غربت میں اور بڑھ جائیں۔ (الحشر : ۷-۸)

(۱۰۲) محض کافر ہونے کی وجہ سے کسی کو انصاف اور حسن سلوک سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ (الممتحنہ : ۸-۹)

(۱۰۳) قوم اور حکومت کا فرض ہے کہ لوگوں کی ایسی تعلیم و تربیت کرے کہ وہ بھی اور انکی آئندہ نسلیں بھی درست ہوں اور دنیوی اور اخروی عذاب سے بچ جائیں۔ (التحریم : ۶)

(۱۰۴) ملک کے پسماندہ اور محتاج طبقات مسکین، یتیم اور قیدی وغیرہ کے کھانے وغیرہ کا اہتمام ضروری ہے۔ (الدھر : ۸)

(۱۰۵) خدا ترسی پیدا کر کے لوگوں کے معاملات اور اخلاق کی درستی کی جائے۔ (التطفیف : ۲-۶)

(۱۰۶) ہر شخص کو اپنے اختیار کردہ مذہب پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔ (الکافرون : ۶)

(۱۰۷) انسانوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا چاہیئے اور ان تمام روکوں کو دور کیا جائے جو اس میں رخنہ انداز ہوں۔

(الفلق : ۴)

(۱۰۸) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، ملکیت اور الوہیت کے خلاف جتنی تحریکات ہوں ظاہری یا مخفی ان سب کا ازالہ کرنا فرض ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

آئینِ جنگ بروئے قرآن مجید

جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات

زمین و آسمان کی موجودات حرکت کر رہی ہیں اور سوائے انسان کے کہ وہ نیکی اور بدی کا ذمہ وار ٹھہرایا گیا ہے باقی سب چیزیں قدرتِ خداوندی کی راہنمائی سے اپنی حدودِ فطرت کے اندر اپنے مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں اور ان کی کسی حرکت سے دُنیا میں فساد اور ابتری نمودار نہیں ہوتی لیکن انسان کی فطرت میں دو محرک، ایک نیکی کا محرک اور ایک بدی کا محرک رکھے گئے ہیں۔ اگر وہ نیکی کے محرک کی پیروی کرتا رہے اور بدی کے محرک کی اطاعت نہ کرے تو دُنیا میں فساد پیدا نہیں ہوتا۔ اور انسانی کاروبار بخوبی چلتے رہتے ہیں لیکن اگر وہ بدی کے محرک کی پیروی کرے اور عقل کی رہنمائی سے فائدہ نہ اٹھائے اور نتائجِ اعمال کو مدِ نظر نہ رکھے اور وقتی فائدہ کے لئے بدی کی طرف جُھک جائے تو فساد اور فتنہ پیدا ہو جاتا ہے۔

چونکہ نیکی کے محرک پر بدی کے محرک کو غلبہ حاصل نہیں ہے اور اگر انسان چاہے تو عقل کی ہدایت کے مطابق بدی سے بچ سکتا ہے اسلئے انسان فساد کا ذمہ وار ٹھہرایا گیا ہے اور قدرتِ خداوندی کی طرف سے سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔

خداوند عالم پہلے مفسدوں کو انبیاء اور مصلحین کے ذریعہ سے متنبہ کرتا ہے تا وہ راہِ راست پر آ کر عذاب سے جو فساد کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے بچ جائیں لیکن اگر وہ انبیاء اور مصلحین کی نصائح پر کان نہ دھریں بلکہ الٹا ان کو دُکھ دیں اور مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں تو پھر ان کو تباہ کر دیتا ہے۔

گھر میں فساد ہو تو گھر ویران ہو جاتا ہے، محلہ میں فساد ہو تو محلہ ویران ہو جاتا ہے، شہر میں فساد ہو تو شہر ویران ہو جاتا ہے، ملک میں فساد ہو تو ملک ویران ہو جاتا ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ دُنیا میں فتنہ و فساد کا دَور دَورہ ہو اسلئے وہ مرسلین کے ذریعہ سے قانون بھیجتا رہتا ہے جس پر چل کر لوگ آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ اور تباہی سے بچے رہیں۔ قانونی حدود کے توڑنے والوں کی سزا اور گوشمالی کے لئے احکام مقرر ہوتے ہیں۔ سزا صرف اسلئے دی جاتی ہے تا کہ گناہگار آئندہ اپنا رویہ درست کر لے اور دیگر اشخاص کے لئے عبرت ہو۔ اور وہ گناہگار کی پیروی نہ کریں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ارکانِ حکومت ہی عدل و انصاف کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے ظلم اور تعدی اختیار کر لیتے ہیں اور رعایا کی پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ بیرونی ممالک کی حکومتوں نے رعایا کی فریادیں سُن کر اور اُن کی مدد سے ایسی ظالم اور ستم شعار حکومتوں پر فوج کشی کر کے اُن کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور خود عنانِ حکومت ہاتھ میں لیکر ملک میں آسودگی اور خوشحالی پیدا کر دی۔ یا خود رعایا نے ظالم حکمرانوں کو تباہ کر کے خود حاکم بن گئی۔ جیسا کہ موجودہ دَور میں نظر آ رہا ہے۔

انبیاء سابقین کے زمانہ میں اُن کی بددعاؤں سے سرکش اور بدکردار مخالفین ارضی اور سماوی حوادث اور امراض و اسقام سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور اُن کی بیخ کنی ہو جاتی تھی اور ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہتا تھا۔ گویا وہ کبھی دُنیا میں بسے ہی نہ تھے۔ مگر باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم نے بہت ستایا اور آپ کے پیروؤں اور دادا دستوں کو

طرح طرح کے مصائب اور تکالیف میں مبتلا رکھا اور آخر آپ کو ملک سے نکال دیا۔ اور پھر یہاں تک ہی بس نہ کی، بلکہ یہودی سُود خوار مالداروں کی مدد سے بہت سا لشکر لے کر مدینہ پر جہاں آپ نے جا پناہ لی تھی چڑھائی کی۔ آپ نے اپنی قوم کیلئے بددُعا نہیں کی تھی بلکہ یہ دُعا کی تھی "اھد قومی انھم لا یعلمون" (اے خدا میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے) اسلئے آپ کی قوم ارضی اور سماوی حوادث سے دوچار نہ ہوئی اور ان کی جڑھ نہ کاٹی گئی۔

مسلمانوں نے باوجود اپنی اقلیت اور کمزوری کے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ہم کو ظالم کفار کے ساتھ دفاعی جنگ کی اجازت دی جائے۔ پہلے تو اُن کو اجازت نہ دی گئی مگر جب مخالفین کا ظلم اور تشدد حد سے بڑھ گیا اور جو مسلمان مکہ میں بوجہ کمزوری و دیگر وجوہ کے پیچھے رہ گئے اور ہجرت نہ کر سکے اُن کی زندگی اجیرن ہوگئی اور وہ کفار کی جبرہ دستیوں کی وجہ سے بارگاہِ ایزدی میں فریادیں کرنے لگے تو رحیم و کریم خدا نے آیۂ کریمہ ذیل کے ذریعہ دفاعی جنگ کی اجازت دے دی :-

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ (١٧/١٤)

جن مسلمانوں سے کفار لڑائی کرتے ہیں ان کو لڑائی کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور ان کو ناحق گھروں سے نکالا گیا صرف اس بناء پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہی ہے (خدا ان کی مدد کرے گا) وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔"

لڑائی کی اجازت مل چکی ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؕ (٥/٧٦)

مسلمانو! تم خدا کے راستہ میں اُن مردوں، عورتوں اور بچوں کی امداد کے لئے کیوں لڑائی نہیں کرتے جو کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے جس کے باشندے ظالم ہیں باہر نکال اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی یار و مددگار دینا۔ مومن خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان سرکش کے راستہ میں لڑائی کرتے ہیں شیطان کی تدبیر کمزور ہے وہ کارگر نہیں ہوگی۔"

مسلمان کفار کے لشکرِ عظیم کو دیکھ کر بارگاہِ ایزدی میں فریادیں کر رہے تھے۔ خدا نے اُن کی فریادوں کو مستجاب فرمایا اور بشارت دی کہ میں ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہ جو کفار کہہ رہے ہیں کہ ہماری بڑی جمعیت ہے اور ہم انتقام لے کر چھوڑیں گے خدا اُن کو اُن کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیگا اور اُن کا لشکر شکست کھا کر بھاگ جائیگا۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ (٩/٩)

مسلمانو! اُس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب کے حضور فریادیں کر رہے تھے۔ خدا نے تمہاری فریادوں کو قبول کیا اور بشارت دی کہ میں ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا جو پے درپے آئینگے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (۵۴)

کیا کفار کہتے ہیں کہ ہماری جمعیت انتقام لینے والی ہے۔ عنقریب یہ جمعیت ہزیمت اٹھا کر پیچھے کی طرف بھاگے گی۔"

آخر کفار خداوند عالم کے وعدہ کے مطابق زہر کے گھونٹ پی کر بے نیل مرام واپس ہوئے۔ اور اہل کتاب کو جنہوں نے کفار کی مدد کی تھی خدا نے مستحکم قلعوں سے باہر نکالا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ کچھ اُن میں سے قتل ہوگئے، کچھ قید ہوگئے اور اُن کی زمینوں اور گھروں اور اموال کے مالک مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ۔ (۳۳/۲۶)

"اور خدا نے کفار کو بے نیل مرام ایسی حالت میں واپس لوٹایا کہ وہ زہر کے گھونٹ پی رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو خدا نے لڑائی سے بچا لیا اور اہل کتاب کو جنہوں نے ان کی مدد کی تھی قلعوں سے باہر نکالا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان میں سے کچھ تم نے قتل کیے اور کچھ قید کیے اور خدا نے تم کو ان کی زمینوں اور گھروں اور مال و متاع کا وارث بنایا۔"

کفار نے مسلمانوں سے پختہ عہد کیے تھے کہ وہ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کریں گے اور نہ مسلمان اُن سے لڑیں گے۔ مسلمانوں کو اُن عہدوں پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی اور وہ ان عہدوں پر قائم رہے۔ مگر کفار نے ان کو توڑ کر جارحانہ حملہ مسلمانوں پر کیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا۔ کہ ایسے بدعہدوں سے جنہوں نے لڑائی میں پہل کی اور رسولِ خدا کو جلاوطن کیا تم کیوں نہیں لڑتے۔ فرمایا:۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ (۹/۴)

"کفار کو دُکھ دینے والے عذاب کی بشارت دیدے۔ بجز اُن مشرکین کے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا۔ پھر انہوں نے اس عہد کی کچھ خلاف ورزی نہ کی اور نہ تمہارے برخلاف کسی کی مدد کی۔ پس تم بھی مدت مقررہ تک اس عہد کو پورا کرو۔"

پھر فرمایا:۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ (۹/۱۳)

"مسلمانو! تم ایسے لوگوں سے کیوں لڑائی نہیں کرتے جنہوں نے اپنے پختہ عہدوں کو توڑ دیا اور رسولِ خدا کے ملک بدر کرنے میں پورا زور لگایا۔ اور انہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی کرنے میں پہل کی۔" -

جب دشمن حملہ کر دے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ مردانہ وار بنیان مرصوص کی طرح مقابلہ کیلئے نہایت استقلال، بامردی اور ثباتِ قدم سے کھڑے ہو جائیں۔ اپنی قلت کو دیکھ کر

ہمت نہ ہاریں چاہے کتنی ہی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ اور اس طرح جانبازی سے لڑیں کہ دشمن ان کا لوہا مان جائے۔ خدا اور رسولؐ اور اپنے افسروں کی اطاعت کریں۔ خدا کا ذکر بہت کریں۔ آپس میں جھگڑا اور تنازعہ نہ کریں جس سے ان کی عزت اور شان میں فرق آجائے۔ دشمن کا پیچھا نہ چھوڑیں۔ گھاتوں میں بیٹھ کر اس پر وار کریں اور کامیابی اور فتحمندی کے لئے جان توڑ کوشش کریں۔ خدا پر بھروسہ رکھیں اور دشمن کی کثرت سے جی نہ چرائیں۔ کیونکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک قلیل گروہ خدا کے فضل سے گروہِ کثیر پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ (۶۱/۴)

"خدا تعالیٰ اُن لوگوں سے پیار کرتا ہے جو اس کے راستہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر لڑتے ہیں۔"

مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۔ (۹/۱۲۳)

"مسلمانو! جو کفار قریب آ کر تمہارا مقابلہ کریں ان کے ساتھ لڑائی کرو اور ایسی مردانگی دکھاؤ کہ وہ تمہاری طاقت کو محسوس کریں۔"

جنگ کے فوائد اور طریق کے سلسلہ میں فرمایا:۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (۸/۵۸)

"اگر تو دشمنوں کو لڑائی میں پالے تو ان کے ساتھ اس طرح مقابلہ کر اور مردانگی کے جوہر دکھا کہ جو ان کے پیچھے کھڑے ہوں وہ ان کی حالتِ زار دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوں، شاید وہ اس طرح پندپذیر ہوں۔"

دشمنوں کے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (۸/۴۶)

"مسلمانو! اگر تم کفار کے کسی گروہ کو پاؤ تو اس کے مقابلہ کے لئے جم کر کھڑے ہو جاؤ اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو بزدل اور کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا وقار اور دھمک جاتی رہے گی۔"

دوسری جگہ ہدایت دی کہ:۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۝ (۴/۱۰۴)

"مسلمانو! مقابلہ کرنے والی قوم کی تلاش اور سراغ لگانے میں سستی مت کرو۔ اگر تم کو ایسا کرنے میں تکلیف ہوگی تو ان کو بھی تو ویسی ہی تکلیف ہوگی۔"

سنت اللہ کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے کہ:۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (۲/۲۴۹)

"بہت سے قلیل گروہ ہیں جو گروہ کثیر پر مشیتِ خداوندی سے غالب ہو جاتے ہیں۔"

خدا تعالیٰ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اگر مسلمان بغیر کسی ذاتی غرض کے محض للہ دین کی مدد کریں گے تو خدا ان کی مدد کرے گا اور ان کو

ثبات قدم عطا کرے گا اور ان کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرے گا۔ فرمایا:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۴۷/۸)

مسلمانو! اگر تم دینِ الٰہی کی مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔"

مسلمانوں کو انہیں لوگوں کے ساتھ لڑائی کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو اُن کے ساتھ لڑائی کرنے میں پہل کریں یعنی وہ فتنہ کو فرو کرنے کے لئے صرف دفاعی لڑائی کر سکتے ہیں۔ جارحانہ لڑائی اور تعدی کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ملک گیری کیلئے لڑنا مسلمان کا کام ہے۔ اگر دفاعی لڑائی سے بھی کنارہ کشی کی جائے تو فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے اور قومی ہستی قائم نہیں رہتی۔ اور لوگوں کی عبادت گاہیں، عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد جن میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے منہدم ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے مذہب میں مداخلت ہو جاتی ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

۱- وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (۲/۱۸۶)

مسلمانو! تم خدا کے راستہ میں انہیں لوگوں کے ساتھ لڑائی کرو جو تمہارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں اور تعدی مت کرو۔"

۲- وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ۔ (۲/۱۹۳)

مسلمانو! تم مخالفین کے ساتھ لڑائی کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے اور خدا ہی کا پھیرا ہو جائے۔"

۳- وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (۲/۲۵۲)

اگر خدا بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے۔"

۴- وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا۔ (۲۲/۴۱)

اگر خدا بعض انسانوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرے تو عیسائیوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں خدا کے نام کا بہت ذکر ہوتا ہے منہدم ہو جائیں۔"

اگر خداوند کریم چاہے تو خود ہی کفار سے انتقام لے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ پر بغیر جنگ و پیکار کے کامیاب کر دے مگر اس کی مشیت یہی ہے کہ وہ آزمانا چاہتا ہے کہ مومن اسکے راستہ میں جان، عزت اور مال کی قربانی کر کے اپنے دعویٰ اسلام میں پورے اُتر کر شہادت وغیرہ درجات کے مستحق ہوتے ہیں یا نہیں۔ بغیر قربانی کے کوئی روحانی یا جسمانی درجہ نہیں مل سکتا۔ جتنی بڑی قربانی ہو اُتنا ہی بڑا درجہ ملتا ہے۔ جو لوگ محض رضائے الٰہی اور تائید دینِ اسلام کیلئے جانوں کو خطرہ میں ڈالتے ہیں سب سے بلند درجہ اُنہیں کو نصیب ہوتا ہے اور وہی فتحیاب ہوتے ہیں۔ خدا نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے شیطان رجیم کو قیامت تک مہلت دے رکھی ہے اور اس کو کھلی چھٹی دی ہوئی ہے کہ وہ اپنی تمام طاقت اور اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ دراندازوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ شیطان اکیلا در آمد نہیں ہوتا۔ وہ لشکر لے کر مومنوں کو کچلنے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے حملہ آور ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اس کا مقابلہ انتہائی قوتِ مردانگی اور شجاعت کے ساتھ کرنا لازمی ہوتا ہے تاکہ انسان شیطانی دستبرد سے محفوظ رہے اور فرزندانِ اسلام نابود نہ ہو جائیں۔

اگر مومن احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں تو شیطان اُن پر غالب نہیں آسکتا۔ ایسے مقابلے ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور مومنوں کو جنگوں میں اُلجھنا پڑتا ہے۔ جنگوں کے لئے ہی انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ مومن موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ موت کا دن مقرر ہے۔ موت ہر جگہ آجاتی ہے چاہے انسان کتنے ہی سنگین اور مستحکم قلعوں میں بود و باش رکھتا ہو موت کے چنگل سے نہیں بچ سکتا۔ پھر کیوں خدا کی راہ میں جان دیکر شہادت کا رتبہ نہ پالے۔ فرمایا۔

(الف) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۔ (۴۷/۵)

اگر خدا چاہے تو ان (مخالفین) سے انتقام لے لے (انتقام اسلئے نہیں لیتا) کہ وہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمانا چاہتا ہے۔"

(ب) وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (۳/۱۳۸)

تاکہ خدا معلوم کرے کہ کون مومن ہے اور تاکہ ان کو شہادت کا رتبہ دے اور تاکہ مومنوں کو امتحان کی کٹھالی میں ڈال کر کھرا کرے اور کفار کو نابود کرے۔"

(ج) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ..... اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۔ (۱۷/۶۵)

اے شیطان جہاں تک تجھ سے ہو سکے تو ان کو اپنی تقریروں سے پھسلا لے اور اپنے سواروں اور پیادوں سے اُن کو مرعوب کر لے۔ میرے فرمانبردار بندوں پر تو غالب نہیں آسکے گا۔"

(د) وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۔ (۱۱/۱۲۰)

لوگ ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر تیرا رب رحم کرے اور اختلاف کیلئے ہی میں نے ان کو پیدا کیا ہے۔"

(ہ) اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۔ (۴/۷۸)

تم جہاں بھی ہو موت تم کو آن لے گی۔ اگرچہ تم مستحکم قلعوں میں بود و باش رکھتے ہو۔"

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دشمن سے جو معاہدہ انہوں نے کیا ہو اس پر قائم رہیں۔ عہد شکنی نہ کریں اگرچہ اس دشمن کے خلاف مظلوم مسلمانوں نے ان سے مدد طلب کی ہو۔ جبکہ دشمن نے عہد کی خلاف ورزی نہ کی ہو۔ اور ان کے خلاف کسی کی مدد نہ کی ہو۔ لیکن اگر دشمن عہد کو توڑ دے تو پھر وہ بھی برملا طور پر عہد کو توڑنے کا اعلان کر دیں۔

(الف) وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۔ (۸/۷۲)

اگر ایسے مسلمان جنہوں نے ہجرت نہ کی ہو تم سے دین کے بارے میں مدد مانگیں تو انکو ضرور مدد دو۔ مگر اس قوم کے بخلاف ان کی مدد نہ کرو جس کے ساتھ تم نے پختہ عہد کیا ہوا ہے۔"

(ب) وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ (۹/۴)

اے پیغمبر! کفار کو دکھ دینے والے عذاب کی بشارت دیدے۔ مگر ایسے مشرکین عذاب سے

بچیں گے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا۔ اور اس عہد
کے پورا کرنے میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہ کی۔
اور نہ تمہارے برخلاف کسی کی مدد کی پس تم بھی
میعاد مقررہ تک اس عہد کو پورا کرو۔"

(ج) وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ
إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ (۵۸/۸)

"اگر تم کو کسی قوم سے بدعہدی کا خوف ہو
تو تم بھی اس کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرو
جیسا کہ اس قوم نے کیا اور اس عہد کو توڑ دو۔"

دوران جنگ میں اسلحہ اور سامان حرب ورسد کی پوری
حفاظت رکھنی چاہیئے اور ہوشیار رہنا چاہیئے اور دشمن
کو موقع نہیں دینا چاہیئے کہ وہ یکبارگی حملہ کرکے نقصان جان
و مال پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ
أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ
عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً (۱۰۲/۴)

"کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور مال و متاع
سے غافل ہو جاؤ اور وہ یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔"

اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو تو ضرور صلح کرنی چاہیئے کیونکہ صلح
بہرحال بہتر نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ جان و مال کے نقصان
کی پریشانیوں اور دیگر مصائب سے نجات مل جاتی ہے۔ فرمایا:۔

۱۔ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (۶۱/۸)

"اگر مخالف صلح کی طرف مائل ہو تو تو بھی صلح کی
طرف راغب ہو جا۔"

۲۔ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ
وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ
اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (۹۰/۴)

"اگر مخالف تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور

تمہارے ساتھ لڑائی نہ کریں اور تم کو صلح کا
پیغام دیں تو پھر خدا نے تمہارے لئے ان کے
برخلاف جنگی کارروائیوں کے لئے کوئی وجہ
نہیں رکھی۔"

جنگ کے دوران میں پیٹھ دے کر بھاگنا اور فرار کی
راہ اختیار کرنا سخت ممنوع ہے اور بھاگنے والوں کے لئے
سخت وعید ہے۔ لیکن اگر کسی جنگی کرتب کے لئے یا اپنے کسی
فوجی دستہ سے پناہ لینے کے لئے اپنی جگہ سے ہلنا پڑے
تو جائز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

(الف) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ
الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ
الْأَدْبَارَ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ
مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ (۱۶/۸)

"مسلمانو! اگر تم اکٹھے ہو کر کفار کے مقابلہ میں
مصروف ہو تو تم ان سے پیٹھ دیکر مت بھاگو۔
اور ایسے موقع پر جو ایسا کرے گا وہ خدا کے
غضب کے نیچے آجائے گا اور جہنم اس کا ٹھکانا
ہوگا۔ اور اس صورت میں کہ وہ کسی جنگی کرتب میں
مصروف ہو یا کسی گروہ کی طرف پناہ لے رہا ہو۔"

(ب) إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ
بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا (۱۵۵/۳)

"جس دن دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی
ہوں تو ایسے موقع پر جو لوگ تم میں سے منہ پھیر
لیں گے۔ سمجھو کہ شیطان نے ان کی بداعمالی
کی وجہ سے ان کو پھسلایا ہے۔"

افسروں اور حکام وقت کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے

اگر فوجی افسروں کے حکم سے سرتابی کی جائے تو دشمن سے ہزیمت کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور اسلام کو ناقابلِ برداشت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ فرمایا:۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۵/۴)

خدا اور اس کے رسول اور اپنے حکام کی اطاعت کرو۔"

بوقتِ جنگ دشمن کے جاسوس اپنے جاسوسی کے کام میں ساعی اور سرگرم ہوتے ہیں جو جھوٹی افواہیں پھیلا کر لشکر میں پریشانی اور ابتری پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے مفسدوں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ جو افواہ سنی جائے اس کو لوگوں میں پھیلانا نہیں چاہیئے اور فوراً اپنے افسروں کو اسکی اطلاع دینی چاہیئے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر بعد تحقیقات اس کا تدارک کریں۔

(الف) اِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ (۵/۸)

جب ان لوگوں کے پاس کوئی امن یا خوف کی اطلاع آتی ہے تو اس کی تشہیر کر دیتے ہیں لیکن اگر وہ اس معاملہ کو اپنے افسروں کے پاس پہنچائیں تو وہ لوگ اس معاملہ کا پتہ لگا لیں گے جو چھان بین کرنے کے اہل ہیں۔"

(ب) وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَھُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ (۱۰/۶)

مسلمانو! تم میں ان منافقین کے جاسوس ہیں جو ان کو تمہارا حال بتلاتے رہتے ہیں۔ خدا کو ایسے ظالموں کا خوب علم ہے۔"

جب دشمن لڑائی میں مغلوب ہو جائے تو اس کے لڑنے والے سپاہیوں اور فوجی افسروں کو قید کیا جا سکتا ہے قبل از فتح قیدی بنانا جائز نہیں ہے۔ قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ یا تو ان کو احسان کے ساتھ رہا کر دینا چاہیئے یا معاوضہ لے کر یا قیدیوں کے تبادلہ سے چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر بوقتِ جنگ مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ لے تو اسکو پناہ دینی چاہیئے اور اس کو کلامِ خدا سنانا چاہیئے اور اس کے بعد اگر وہ چاہے تو اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دینا چاہیئے۔ فرمایا:۔

۱۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۹/۱۰)

کسی نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ اسکے لئے قیدی ہوں تاوقتیکہ وہ جنگ میں غالب ہو کر کسی زمین کو اپنے تصرف میں نہ لے آئے۔"

۲۔ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (۲۶/۵)

اگر تم کو کفار سے مقابلہ پیش آئے تو اُنکے قتل میں دریغ نہ کرو۔ یہاں تک کہ جب تم اُن پر غالب آجاؤ تو اُن کو قید کر لو۔ پھر یا تو اُن کو ازراہِ احسان رہا کر دو یا معاوضہ لے کر یا تبادلہ میں اپنے قیدشدہ آدمی لے کر اُن کو چھوڑ دو۔"

۳۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ (۱۰/۱)

اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں ان کو کہدے کہ اگر خدا نے تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی دیکھی تو وہ تم کو اس مال سے بہتر مال دیگا

جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔"

۴۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ (۹/۶)

اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ لے تو اس کو پناہ دے تاکہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے جہاں وہ امن سے رہ سکے۔"

لڑائی میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ اُن کیلئے حلال ہے۔ فرمایا:-

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (۸/۶۹)

"جنگ میں جو مال تم کو ملے اسکو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ۔"

لڑائی میں عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں اسلئے بعض مسلمان عورتیں کفار کے ہاتھ آجاتی تھیں اور کفار کی عورتیں مسلمانوں کے ہاتھ آجاتی تھیں۔ کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو کفار کے نکاح میں تھیں اور وہ از خود یا اپنے قریبی مسلمان رشتہ دار کی تبلیغ سے مسلمان ہوجاتی تھیں اور وہ ایمان کے تقاضے سے مجبوراً مسلمانوں کے پاس ہجرت کرکے آجاتی تھیں اور بعض مسلمانوں کی عورتیں بھی جو اپنے کفار رشتہ داروں کے زیر اثر ہونیکی وجہ سے یا کسی اور سبب سے مسلمان نہ ہوتی تھیں کفار کے پاس چلی گئی تھیں ایسی صورتوں میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو کفار کی عورتیں واقعی مسلمان ہوچکی ہوں اُن کو کفار کے پاس واپس مت بھیجو۔ اُن کے ساتھ نکاح کرلو۔ اور کفار نے جو اُن پر خرچ کیا ہوا ہو وہ اُن کو دیدو۔ اور جو کفار کی عورتیں مسلمان نہ ہوئی ہوں ان کو کفار کے حوالہ کرو۔ اور تمہاری مسلمان عورتیں جو کفار کے پاس ہوں وہ اُن سے واپس لو اور کفار نے اُن پر جو خرچ کیا ہوا ہو وہ ان کو دیدو۔ قانونِ خداوندی کے الفاظ یہ ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا (۶۰/۱۰)

"مسلمانو! اگر تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آجائیں تو ان کا امتحان لو۔ خدا اُن کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوجائے کہ وہ مسلمان ہیں تو اُن کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ وہ کفار کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ کفار اُن کے لئے حلال ہیں۔ اور کفار نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو دیدو۔ اور اگر تم اُن کے مہر دیدو تو تمہارا اُن کو عقدِ نکاح میں لانا گناہ نہیں ہے۔ اور کافر عورتوں کو اپنے قبضہ میں نہ رکھو اور جو کچھ تم نے اُن پر خرچ کیا ہو وہ کفار سے مانگ لو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے مانگ لیں۔"

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مخالفین سے مقابلہ کیلئے ہر قسم کی طاقت فراہم کریں اور ہر ایک قسم کا سامانِ حرب اسلحہ جنگی اُن کے مقابلہ کے لئے اور ان کے آخرین مقابلہ کے لئے جن کو وہ نہیں جانتے تیار رکھیں اور غافل نہ رہیں تاکہ اسلام کے دشمن خائف رہیں اور حملہ کی جرأت نہ کریں۔ اور اس بارے میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔ کیونکہ جو کچھ وہ خرچ کریں گے وہ ان کو مل جائے گا۔ اور وہ خسارہ میں نہیں

رہیں گے۔ فرمایا:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (۸/۱۲)

تم ان کے لئے اپنے مقدور بھر طاقت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو۔ اس سے تم اپنے اور خدا کے دشمنوں کو اور اُن کے علاوہ آخرین کو جن کو تم نہیں جانتے، خدا اُن کو جانتا ہے خائف رکھو گے اور خدا کے راستہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تم کو پورا کر دیا جائے گا اور تم خسارہ میں نہیں ہو گے۔"

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں تو اُن کے مابین صلح کرا دینی چاہیے۔ اور اگر ایک فریق دوسرے پر تعدّی اور دست درازی کر رہا ہو اور راہِ راست پر نہ آتا ہو تو اُس کے خلاف اُس وقت تک لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے اور بعد از ان دونوں فریقوں کے مابین ایسا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دینا چاہیے کہ پھر فتنہ سر نہ اُٹھائے اور امن میں خلل واقع نہ ہو۔ فرمایا:۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا (۴۹/۹)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑ رہے ہوں تو اُن کے مابین صلح کرا دو۔ اور اگر ایک فریق دوسرے فریق پر تعدّی کر رہا ہو تو اس کے خلاف اُس وقت تک لڑائی کرو کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ تو پھر اُن کے مابین عدل و انصاف سے صلح کرا دو۔

احمدیوں کیلئے ضروری تعلیم

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزّت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دُنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔"

(کشتی نوح تقطیع کلاں صـ۱۳)

تحقیق امّ الالسنۃ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(۱۷)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان جولائی ۱۹۵۲ء

از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور۔

اِن مضامین کے جملہ حقوق بحق رسالہ الفرقان محفوظ ہیں !!

رفع اغلاط

اب تک مضمون مندرجہ عنوان کی سولہ اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ اب یہ سترھویں قسط ایک نئے اصول کی تشریح ہے۔

عجمی الفاظ کا سراغ جب آخر تک لگایا جائے۔ تو وہ بادنیٰ تغیر عربی زبان کے الفاظ ثابت ہوتے ہیں۔ اِسی لئے جو زبانیں قدیم تر ہیں وہ عربی سے قریب تر ہیں۔ مثلاً سنسکرت، لاطینی، جرمن اور اُن میں عربی ماخذ کا دستیاب ہونا نسبتاً سہل ہے لیکن انگریزی زبان کی یہ صورت نہیں ہے۔

گزر چکا ہے کہ انگریزی زبان میں دُنیا کی تقریباً سب زبانوں کے الفاظ گھُل مل گئے ہیں۔ اور عہد بہ عہد تغیر و تبدل کا شکار بھی ہوتے رہے ہیں۔ اسلئے انگریزی لغت کے محققین نے الفاظ کے جو رُوٹ قائم کئے ہیں ان میں ہزاروں جگہ غلطی کھائی ہے۔ اور اس غلطی کی تصحیح صرف اور محض عربی زبان کر سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اغلاط عربی زبان کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہی سرزد ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں رُوٹوں کی تلاش کیلئے کوئی سائنٹفک اصول ان اصحاب کے پیشِ نظر نہ تھے۔ بلکہ محض اٹکل اور ظن و تخمین پر مدار کا تھا اسلئے اغلاط کا واقع ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ اور اس کے متعلق

ا۔ خود یہ محقق معترف ہیں کہ بہت سے الفاظ کا رُوٹ انہیں مل نہیں سکا۔ یا یہ کہ اس بارے میں انہیں شک، تذبذب اور رُوبدا کی بھُول بھلیاں درپیش ہیں ؎

لا الیٰ ھٰؤلاء ولا الیٰ ھٰؤلاء

ب۔ کثیر الفاظ ایسے ہیں جن کے رُوٹ قائم کرنے میں مختلف لُغت نویس آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اگر آپ چند انگریزی لُغتوں کا مقابلہ کریں تو رُوٹوں کے لحاظ سے انہیں ؎ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً کا مصداق پائیں گے۔

(ج) اور بقول محقق جسٹر من لمبی کد و کاوش کے بعد جو روٹ مختلف لوگوں نے تلاش کئے ہیں۔ وہ سکینت و اطمینان کا موجب نہیں ہو سکے اور اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ اُن کے مناسب حال ہے۔ توضیح یہ امر علمائے لغت انگریزی کے مسلمات سے ہے کہ کثیر الفاظ ایسے ہیں جن کے روٹ انہیں مل نہیں سکے۔ یا یہ کہ اس بارے میں ان کی سراغرسانی نامکمل اور ناقص ہے۔ اور یہ قدرتی بات ہے جو کہ عربی کی طرف عدم رجوع کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیساکہ ہم ابھی ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ

نوٹ:۔ اس مضمون میں (غ) سے مراد وہ غلط روٹ ہے جو انگریزی لغت نویسوں نے قائم کیا ہے اور (ص) سے مراد وہ صحیح روٹ ہے جو عربی کے لحاظ سے ہونا چاہیئے ہم یہ امر ہر ایک عقلمند ناقد بصیر کے انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ کونسا روٹ واقعی درست ہے اور کونسا غلط اور لغو

راقم کی تحقیق میں جو اغلاط لغت نویسوں سے سرزد ہوئے ہیں وہ حسب ذیل اقسام پر مشتمل ہیں۔

قسم اوّل

یعنی حروف تہجی کی غلطی۔ مثلاً س اور ص یا ق اور ک کا عدم امتیاز۔ یا اسی قسم کی تجنیس خطی کو مدنظر نہ رکھنا۔ ایسے اغلاط کی تصحیح صرف عربی زبان ہی کر سکتی ہے اور کسی دوسری زبان کا یارا نہیں کہ اس معرکے میں دم مار سکے۔ مثلاً:۔

(۱) CARP۔ بدنام کرنا۔ روٹ کے معنی ہیں توڑنا (پھل) ص CRP قَرَفَ۔ بدنام کرنا۔ عیب لگانا۔ (غ) CRP خَرَفَ۔ چننا (پھل)

(۲) CADA لاش۔ روٹ کے معنی گرنا۔ ص CD صدیٰ۔ لاش غ CD۔ قعق۔ گرنا۔ گویا C کو S کی بجائے K شمار کرنے سے غلطی ہوئی۔

(۳) CHEAP سستا۔ روٹ کے معنی مبادلہ کرنا ص KP خَفَّ۔ تھوڑے مال والا۔ ہلکا غ KP کافأ۔ بدلہ لینا۔ خ اور ک کو تمیز نہیں کیا۔ روٹ ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

(۴) ES-CAPE۔ بچ نکلنا۔ روٹ کے معنی (کوٹ سے باہر) ص CP۔ کَفَأَ۔ بھاگ جانا۔ الگ ہو جانا۔ غ CP۔ قبا۔ کوٹ۔ ES بمعنی باہر۔ فرمائیے اس تحقیق کو کیا کہیئے۔

(۵) COPE۔ کوٹ۔ روٹ کے معنی ٹوپی۔ ص CP قبا غ CP قبعہ۔ ٹوپی

(۶) CRUSH۔ بھیڑ۔ روٹ کے معنی کوٹنا۔ نچوڑنا۔ ص CRSH کِرش۔ اجتماع۔ غ CRS کَرَصَ کوٹنا۔ نچوڑنا۔

(۷) CURE۔ علاج کرنا۔ صحت پانا۔ روٹ کے معنی پرواکرنا ص CR قَرَّع۔ علاج کرنا۔ قَرَح۔ صحت غ CR قَرَح (ب) پرواکرنا۔ گویا CURE اور CARE کو ایک بات جانا ہے۔ حالانکہ دونو کا فرق عربی نے واضح کر دیا ہے۔

(۸) GUTTER۔ نالی۔ روٹ کے معنی ٹپکنا۔ ص GTR۔ قُتَرۃ۔ موری۔ غ GTR قَطَرَ ٹپکنا۔

(۹) FIERCE (FER-US) غضبناک۔ روٹ کے معنی متکبر۔ ص FR فَارَ۔ جوش میں آنا۔ تیور سریع الغضب (غ) فَرِہَ۔ متکبر ہونا۔

(۱۰) AB-HOR۔ کراہت کرنا۔ روٹ کے معنی لرزنا۔ ص HR۔ هَرَّ۔ کراہت کرنا۔ غ۔ هُرِعَ۔ ڈر سے لرزنا (اگرچہ دونو قریب المعنی ضرور ہیں)

(۱۱) AGUE (AC) بخار۔ روٹ کے معنی تیز کرنا۔ ص AC وعک۔ بخار غ هَكَّ۔ رگڑ کر باریک کرنا

(۱۲) ASSERT (SER) واضح کرنا۔ رُوٹ کے معنی جوڑنا۔ ص SR صَرَح۔ واضح کرنا۔ غ۔ صَرَّ باندھنا۔

(۱۳) ARREST (RES) محبوس کرنا۔ رُوٹ کے معنی ٹھہرنا۔ ص RS حَرَس۔ حفاظت میں لینا۔ غ ارسی۔ ٹھہرانا۔

(۱۴) CLOUD بادل۔ رُوٹ کے معنی ڈھیلا۔ ص۔ (CL(D قَلَعَہ۔ بادل۔ غ CL۔ قُلاع۔ ڈھیلا۔ D حرفِ صوت۔

(۱۵) CON-CUL صلاح دینا۔ رُوٹ کے معنی (باہم) کُودنا۔ ص SL۔ اَصلَحَ۔ درست کرنا۔ مجازاً ٹھیک رائے دینا۔ صلاح دینا۔ غ SL صَالَ۔ کُودنا

(۱۶) SREW گروہ۔ رُوٹ (GROW) پیدا کرنا۔ اُگانا بڑھنا۔ ص CR قریہ۔ گروہ۔ غ CR ذرأ پیدا کرنا۔ بڑھانا۔

(۱۷) CHAS-T-EN سدھانا۔ مؤدب کرنا۔ رُوٹ کے معنی کنوارا ہونا۔ ص CHS = KS قَضَع۔ سدھانا۔ غ قضہ۔ کنوارا پن۔ گویا CHASTE اور CHASTEN کو ایک ہی رُوٹ سمجھ لیا ہے۔

(۱۸) CLASS (CAL) جماعت۔ رُوٹ کے معنی پکارنا ص CL قُلّہ۔ گروہ۔ غ CL صَلّی۔ دُعا کرنا۔ مجازاً پکارنا۔

(۱۹) TEAR (DERO) پھاڑنا۔ رُوٹ کے معنی کھال اُتارنا۔ ص TR طَرَّ۔ پھاڑنا (کپڑا) غ DR دَرَع۔ چمڑا اُتارنا۔ دونو کا فرق ظاہر ہے۔

(۲۰) MINI-STER عہدیدار۔ خدمت گزار۔ رُوٹ کے معنی کم۔ ص MN مَهَنَ۔ خدمت کرنا۔ مُهنہ۔ عُہدہ۔ نوکری STER لاحقہ فاعلی یعنی عہدیدار۔ غ MN مَنَّ۔ کم۔

(۲۱) CHAP جبڑا۔ رُوٹ کے معنی کاٹنا۔ ص CHP = KP = PK فَکّ۔ جبڑا۔ غ KP کَافَ۔ کاٹنا۔ مقلوب نہ کرنے سے غلطی ہوئی۔

(۲۲) GOOD اچھا۔ خوبصورت۔ قیاس رُوٹ (GATHER) یعنی اکٹھا کرنا۔ ص GD جَادَ عمدہ۔ نیک۔ فیاض ہونا۔ جَوّد۔ خوبصورت بنانا غ GTR قَتَّر (جز) اکٹھا کرنا

(۲۳) DEEM خیال کرنا۔ رُوٹ کے معنی مرنا نقصان اٹھانا۔ ص DM = ZM ذَعَم۔ خیال کرنا۔ غ ZM ذَأم۔ مرجانا۔ ضَیم۔ نقصان۔ ظلم۔ گویا DEEM کو DOOM سمجھا۔

(۲۴) CHAPPIE خوبصورت۔ رُوٹ کے معنی بچہ۔ (حالانکہ بچہ خوبرو اور بدشکل دونو ہوسکتا ہے)۔ ص CHP = SP صبیح۔ خوبصورت۔ غ SP صَبِیّ۔ بچہ۔

(۲۵) TONE آواز۔ رُوٹ کے معنی کھینچنا۔ ص TN طَنّ۔ آواز دینا۔ غ TN = NT نَطّ۔ کھینچنا۔

(۲۶) TURB-ID خاک آلود۔ رُوٹ کے معنی گردہ ص TRB تَرِبَ۔ خاک آلود ہونا۔ غ TRB = SRB سَرْب۔ گلّہ۔ مجازاً گروہ۔

(۲۷) EMOLU-MENT کام کا معاوضہ۔ رُوٹ کے معنی پیسنا یا پسائی۔ ص EML عملہ۔ کام کی اُجرت غ ML مَالَ۔ ہتھ چکی یعنی MILL۔ MENT لاحقے نے چکی کی پسائی۔ معنی پیدا کئے۔ نکتہ۔ عَمِلَ محنت کرنا۔ عربی نے اسی پر لاحقے ہوند لگاکر عملہ۔ کام کی اُجرت معنی پیدا کئے۔ جبکہ انگریزی میں MENT لاحقہ نے معنی دیئے یہ وہی مثال ہے جو (مَائِی۔ میرا پانی) اور

"نانی واٹر" میں مضمر ہے۔ اس قسم کے کثیر الفاظ ہیں جہاں اشارے میں عربی زبان معنی پیدا کرتی ہے۔ جبکہ عجمی زبانیں لمبے الفاظ یا پریفکس اور سفکس لگا کر یہ معنی نکالتی ہیں۔ لیکن یہ ایک الگ اور مستقل مضمون ہے ـــــ ت۔ مَاَل۔ مٹھ چکی۔ انگریزی میں MILL ہوا۔ پھر اس کے معنی پیسنا ہو گئے۔ آپ ہر ایک بڑے کارخانے کو مِل کہتے ہیں۔ خواہ کپڑے کا کارخانہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ تمدنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ لغت میں بھی ارتقاء ہوتا ہے۔

غلطی قسم دوم

اصل۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ اصل لفظ خود ہی روٹ ہے لیکن چونکہ محققین کے سامنے لغت عرب نہیں ہے اسلئے سرگردانی اور تلاش میں وہ کہیں کے کہیں جا نکلے اور بالکل غلط سراغ پر جا پہنچے۔ جس کی کوئی مطابقت لفظ زیرِ تحقیق سے نہیں ؎ لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔ مثلاً

(۱) CASE بمعنی کہانی۔ حالت۔ بات۔ روٹ (CAD) بمعنی گرنا۔ ص CS قِصّہ۔ کہانی۔ حالت۔ بات۔ غ CD قَضَّ۔ گرانا۔

(۲) CASE تھیلا۔ روٹ (CAP) تھامنا۔ ص CS کِیس۔ تھیلا غ CP کَفَّ۔ روکنا۔ مجازاً پکڑنا۔ ظاہر ہے کہ حروف اور معنی کا خون کیا گیا ہے۔

(۳) CHASE تعاقب کرنا۔ روٹ (CAP) پکڑنا۔ ص KS = CHS کَسا۔ تعاقب کرنا۔ غ CP کَفَّ۔ روکنا۔

حروف اور معنی کو کند چھری سے ذبح کیا گیا ہے۔

(۴) CHOWDER ہنڈیا۔ روٹ (CAL) گرم کرنا ص KDR قِدر۔ ہنڈیا غ CL صَلا۔ گرم کرنا۔

(۵) COY پیچھے ہٹنا۔ شرمیلا ہونا۔ روٹ (QUIET) خاموش ہونا۔ ص COY کَاتہ۔ پیچھے ہٹنا۔ غ QT اَقطع۔ خاموش ہونا۔

(۶) CHEER خوش کرنا۔ روٹ (CARA) بمعنی شکل یا سر۔ ص CR سَرَّ۔ خوش کرنا۔ غ CR صُورۃ شکل RC راس۔ سر۔

(۷) CALM خاموش۔ روٹ (CAL) گرم کرنا۔ ص CL سَلا۔ تسلی دینا۔ سُلوہ۔ آرام سکون تسلی غ CL صَلی۔ گرم کرنا۔ گویا آسمان کا روٹ لیا ہے۔ گرمی حرکت اور جوش کا نام ہے نہ کہ سکون و اطمینان۔

(۸) BAN قطع کرنا۔ اعلان کرنا۔ روٹ (PHA) بولنا ص BN بَانَ عَن۔ جدا ہونا منقطع ہونا۔ اَبان جدا کرنا۔ کاٹنا۔ ظاہر ہونا۔ غ PH فَاہَ۔ بولنا۔

(۹) COW-ARD بزدل۔ روٹ (CODA) بمعنی دُم یا پیچھے۔ ص COW کاع۔ بزدلی کرنا + ARD لاحقہ فاعلی = بزدلی کرنے والا۔ غ CD قَعَدَ عَن پیچھے رہنا۔

غلطی قسم سوم

ہم۔ یعنی مفرد لفظ کو مرکب سمجھ لینا۔ یعنی لفظ تو مفرد ہے اور وہی روٹ ہے۔ لیکن محققین نے اُسے ایک مرکب لفظ شمار کر کے دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور لفظ اور معنی غت ربود ہو گئے ہیں۔ یہاں پر ایک لطیفہ سننے کے قابل ہے۔ سعدی کا شعر ہے کہ ؎

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود
در ایّام بوبکر بن سعد بود

شاگرد استاد سے یہ شعر پڑھ رہا تھا اور اس نے یوں پڑھا کہ سعدی۔ کہ گوئے یعنی گیند۔ بلا یعنی بلّا۔ یہ ہوا گیند بلّا اب رہ گیا غت ربود۔ جو مہمل ہو گیا۔ یہاں سے ہی یہ محاورہ نکلا ہے کہ فلاں بات کو غت ربود کر دیا۔ یعنی ملیامیٹ کر دیا۔

اس قسم کی مثالیں مفرد لفظ کو مرکب شمار کرنے کی بہت ہیں۔ اور یہ مضحکہ عربی لغت کو چھوڑ کر روٹ نکالنے سے ہی پیدا ہوا ہے۔ ہم مبالغہ نہیں کر رہے۔ بلکہ انصاف شرط ہے اور کورانہ تقلید تحقیق کی دشمن ہے۔ مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) AIM قصد کرنا۔ اس کا روٹ (AD-AESTIM) بمعنی اندازہ کرنا دیا ہے۔ ص AM اَمَّ۔ قصد کرنا غ TMS = STM طَمَسَ۔ اندازہ کرنا۔

(۲) EXILE جلاوطن کرنا۔ اس کا روٹ (EX-SILE) بمعنی باہر کودنا دیا ہے۔ ص KSL = XL خَسَلَ جلاوطن کرنا۔ غ SL صَالَ۔ کودنا (EX بمعنی باہر)

(۳) COPY پیروی کرنا۔ اس کا روٹ (CO + OP) یعنی باہمی زیادتی دیا ہے۔ ص CP قَفَا۔ پیروی کرنا غ OP عَفو۔ زیادتی (CO سابقہ)

(۴) NOBLE شریف آدمی۔ اس کا روٹ KNOWABLE یعنی جاننے کے قابل دیا ہے۔ ص NBL نَبُل۔ شریف دفیاض۔ غ KNOW کا روٹ Z N = G NO ظَنَّ۔ جاننا۔

(۵) ADORE بندگی کرنا۔ روٹ (AD + OR) یعنی گفتگو کرنا۔ ص ZR = DR ضَرَعَ۔ منت وزاری کرنا۔ خدا سے دعا کرنا $\frac{D}{Z}$۔ غ OR مخفف ہے (حَاوِر۔ گفتگو کرنا) کا۔

(۶) ARRIVE نزدیک آنا۔ اس کا روٹ (AD-RIP) کنارے پہنچنا دیا ہے۔ ص ARF اَزِفَ۔ نزدیک آنا کنارے پہنچنا۔ غ RP حَرْف۔ کنارہ

(۷) ANKLE ٹخنہ۔ روٹ (AN - CLAW) یعنی پنجہ دیا ہے۔ ص (N) KL کاحِل۔ ٹخنہ۔ الف زائدہ کے ساتھ نون غنہ پیدا ہو گیا ہے۔ غ CLB = CLW خلب۔ پنجہ۔

ٹخنے کا روٹ پنجہ یعنی چہ؟

غلطی، قسم چہارم

تلفظ سے بے نیازی یعنی ایک لفظ صاف عربی ہے مگر اس کا روٹ ایسا دیا گیا ہے جس کے حروف کو قطعاً کوئی نسبت اصلی لفظ سے نہیں۔ مثلاً:۔

(۱) EYAS گھونسلا = ES۔ عَشّ۔ گھونسلا۔ لیکن اس کا روٹ NIDUS دیا ہے۔ جس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲) CHAFE۔ رگڑنا۔ چھیلنا۔ روٹ (CAL) گرم کرنا ص CHF سَحَفَ چھیلنا۔ غ CL صلی گرم کرنا

(۳) CHANGE تبدیل کرنا۔ روٹ CAMB۔ مبادلہ کرنا۔ ص KZ = K (N) G قَاضَ۔ عوض میں لینا۔ بدلا کر لینا۔ N غنہ $\frac{G}{Z}$۔ غ C (M)B کافَأَ۔ بدلا دینا۔ M غنہ۔ $\frac{B}{F}$

(۴) GAOL قیدخانہ۔ روٹ (CAVEA) یعنی خالی ص ZL = GL اَزَلَ۔ قید کرنا $\frac{G}{Z}$ غ CV خَوَی۔ خالی ہونا۔

غلطی، قسم پنجم

م۔ یعنی مضحک۔ جو روٹ دیا ہے وہ مضحک ہے۔ اور کوئی عقلمند اُسے قبول نہیں کر سکتا۔ مثلاً:۔

(۱) COARSE کھُردرا۔ روٹ اس کا of Course یعنی بلاشک دیا ہے۔ جس کا روٹ (CUR) یعنی دوڑنا ہے۔ ص CRS - شَرِس۔ کھُردرا پن۔ غ CR کَرّ۔ دوڑنا۔

(۲) CAT قے کرنا۔ روٹ CAT یعنی بلی ص CD = CT کاد۔ قے کرنا۔ غ CT قِطّ۔ بلی

(۳) ENUCH مخنث۔ روٹ (EKHO) ٹھہرنا۔ رہنا ص ENS اَنُثَ۔ خنثیٰ ہونا۔ غ EK عکی۔ اقامت کرنا (مکان میں)

(۴) GIDDY سر چکرانا - رُوٹ (GOD) یعنی خدا -
غالباً مطلب یہ ہے کہ سر دردمیں انسان ہائے اللہ،
ہائے والے کرتا ہے - بہرحال یہ رُوٹ مضحک ہے -
ص GD = G D دُوخہ - دُوران سر - اور
GH = GOD کا رُوٹ GHEU بمعنی قربانی دیا ہے
ZH = ضحیۃ - قربانی (لیکن یہ رُوٹ بھی غلط ہے -)
اصل رُوٹ ضیاد - فُو یا دوشتی ہے جو سنسکرت
کی لُغت سے ظاہر ہوتا ہے -

(۵) TORCH شعلہ - شمع - رُوٹ کے معنی لپیٹنا (غالباً
فتیلہ کی طرف نسبت دی ہے) ص KRT = TRK
قِراط - چراغ - چراغ کا شعلہ (مقلوب)
غ TRK اطرق - لپیٹنا (مقلوب نہ کرنے سے
غلطی ہوئی ہے -)

(۶) BAG سُوجنا - رُوٹ کے معنی تھیلا -
ص BG بَجَا - سُوجنا - غ GB = B G جَیب
تھیلا (مقلوب)

(۷) HISTORY ص HSTR = اُسطورہ -
کہانی - لیکن اس کا رُوٹ (ID) یعنی جاننا دیا ہے
غ ID عَدّ - شمار کرنا - مجازاً جاننا -

غلطی قسم ششم

ذ - دو معنی لفظ یعنی رُوٹ تو درست دیا ہے لیکن
عربی زبان میں اس رُوٹ کے دو معنی ہیں جو بالکل متباین ہیں
لیکن انگریزی لُغت والے نے غلط اور بے جوڑ معنی بلا انطباق
لفظ کا کیا ہے - حالانکہ عربی رُوٹ کے لحاظ سے صحیح معنی بلا
تاویل مل سکتے تھے - مثلاً :-

(۱) GLOOM اندھیرا = GLM = ZLM ظُلمۃ
اندھیرا - لیکن اس کا رُوٹ غصہ آمیز بتاتا دیا ہے -
جبکہ ZLM ظلام - غصہ کی نظر ہے -

(۲) CHARI-TY فیاضی - رُوٹ کے معنی پسند ہونا
دیا ہے - KR = CHR خَیِّر - فیاضی - خاذ
پسند کرنا -

(۳) ARK کشتی - رُوٹ کے معنی صندوق -
ص RK رُکوہ - کشتی - غ رُکوہ - چمڑے کا تھیلا -
ف - یاد رہے کہ ابتدائے تمدن میں تھیلا - تو کڑا وغیرہ
سامان رکھنے کے لئے ہوتے تھے - پھر انہی الفاظ
سے صندوق، الماری وغیرہ منتقلی معنے لئے گئے -
اسی لئے ARK کے معنی صندوق ہیں کشتی کے لحاظ سے
رُکوہ موکّد المعنیٰ ہے -

مندرجہ بالا روٹ بالکل غلط تو نہیں کہے جاسکتے لیکن
لُغتِ عرب یہ الفاظ مذکور کو عرض کرنے سے معنی کی نزاکت
اور امتیاز ظاہر ہے -

غلطی قسم ہفتم

اسم صوت - ہر زبان میں بعض اسمائے صوت ہوتے
ہیں - عربی میں بھی کثیر الفاظ ایسے ہیں لیکن انگریزی لُغت نویس
بعض دفعہ جب کسی لفظ کا رُوٹ تلاش کرنے میں ناکام رہتے
ہیں تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ یہ اسم صوت ہے یا شاید
یہ اسم صوت ہو - حالانکہ وہ اسم صوت نہیں ہوتا - بلکہ ایک
مستقل عربی لُغت ہوتا ہے - مثلاً الفاظِ ذیل کو اسم صوت
کہہ دیا گیا ہے - اور یہ بات غلط ہے :-

(۱) THROB دھڑکنا TRB = ZRB ضَرَب
پھڑکنا (رگ) اسے اسم صوت کہنا غلط ہے -

(۲) CHIRR چیں چیں کرنا = CHR = SR صَرّ
چیں چیں کرنا - چلانا -

(۳) CRASH ٹوٹ جانا CRS کرَش - کوٹنا

(۴) SWOP تبادلہ کرنا SWP ثواب - بدلہ -
ثوّب - بدلہ دینا - بھلا اس میں اسم صوت کی کونسی بات ہے؟

(۵) CHATT-ER چیخنا = KT - قحط بہت چلانا۔ تحط۔ فحش بکنا۔

(۶) CHUCK زور سے ہنسنا = KK قہقہہ۔ زور سے ہنسنا۔

اگر کسی لفظ میں اسم صوت کی کیفیت پائی جائے۔ تو ہمیں اس سے انکار نہیں لیکن مندرجہ بالا قسم کے الفاظ کو اسم صوت کہنا بے چارگی، بے مائیگی اور روٹ تک دسترس نہ ہونے کا صاف ثبوت ہے۔

غلطی قسم ہشتم

اسم عَلَم۔ بعض دفعہ جب انگریزی والوں کو روٹ نہیں ملتا تو کسی شخص کے نام یا کام کی طرف اس لفظ کو منسوب کر دیتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ بعض ایجادات کا نام اُن کے موجدوں کے نام پر ہوتا ہے۔ بعض جڑی بوٹیوں کے نام بھی اُن کے دریافت کرنے والوں کے نام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ بعض شہروں کی طرف بھی کسی چیز کا منبع اور مرکز ہونے کی وجہ سے تقلیب نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً مالٹا منسوب بہ جزیرہ مالٹا۔ MUSLIN ململ منسوب بہ موصل لیکن اس نقطۂ نظر کو اختیار کر کے انگریزی کے محقق کئی جگہ ٹھوکر بھی کھا جاتے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) GIB-US ٹوپی کو کہتے ہیں۔ اس کا روٹ گبس نامی کسی تاجر کو بتایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ عربی لفظ ہے۔ QB۔ قبع۔ سر چھپانا۔ قبوعہ۔ اونی ٹوپی۔ اور یہ قدیم لفظ ہے۔ واصل القبعة خرقة تخاط يلبسها الصبيان۔

(۲) KERSEY بمعنی کھُردرا کپڑا۔ اس کا روٹ KERSEY ایک شہر احتمالاً بتایا گیا ہے۔ حالانکہ KERSEY اور COARSE ایک لفظ ہے = CRS = شَرِص۔ کھُردرا پن۔

(۳) BEG۔ محتاج ہونا۔ اس کا روٹ یہ بتایا گیا ہے کہ "لمبارٹ بیگو" ایک شخص گداگری کرتا تھا۔ اس لئے BEG کے معنی گداگری ہوا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ BK = BEG۔ بَکّ۔ محتاج ہونا (بَکَّ الرجل: افتقر) سنسکرت میں یہی لفظ بھیک۔ بھکاری۔ بھکشو ہے۔ ہندوستان میں تو لمبارٹ بیگو صاحب بھیک مانگنے نہیں آئے تھے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص بھیک کا روٹ غلام بھیک کہہ دے۔

غلطی قسم نہم

فُقدان۔ سینکڑوں الفاظ کا روٹ انگریزی محققین کو بالتسلیم نہیں ملا۔ حالانکہ عربی میں وہ روٹ بعینہٖ زندہ و پائندہ موجود ہے۔ مثلاً:۔

(۱) FATIGUE = FTG = افتخ۔ تھکنا۔

(۲) FLAT چوڑا = FLT = فلطح۔ چوڑا کرنا۔

(۳) JAZZ شور = JZ = جَعَق چیخنا۔ چلاّنا۔

(۴) CHUM ہم بستر = CHM = KM۔ کَمَعَ کسی کے ساتھ سونا۔ کمیع۔ ہم بستر

(۵) GROUP گروہ = ZRP زرافہ۔ گروہ

(۶) CRONY دوست = CRN قرین۔ دوست

(۷) GLOVE دستانہ = GLF غَلَفَ۔ ڈھانپنا

(۸) CURSE لعنت کرنا۔ بُرا کہنا = CRS قَرَصَ دُکھ دہ الفاظ بولنا (انگریزی میں معنی استعد ہوگئے ہیں۔

(۹) FRAUGHT لبریز = FRT اَفرط۔ لبریز کرنا

(۱۰) FREIGHT بوجھ = FRT = آفرط علی زیادہ بوجھ ڈالنا۔

صد میں ہم نے مختلف قسم کی غلطیوں کو الگ الگ

دکھایا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ تمام اغلاط رُوٹ
تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ
روٹوں کے لحاظ سے لغتِ انگریزی پر نظرِ ثانی کی ضرورت
پائی جاتی ہے۔ تاکہ غلط رُوٹ کی تصحیح عربی سے ہو سکے۔
اور صحیح رُوٹ کی تائید کی جا سکے۔ اگر انگریزی محققینِ لغت
عربی سے تمسک کرتے تو مندرجہ بالا قسم کی ہزاروں
غلطیوں سے بچ رہتے۔ ہم نے یہ اغلاط بطور نمونہ دکھائے
ہیں ورنہ ہر قسم کے تحت کثیر غلطیاں دکھائی جا سکتی ہیں۔

ف۔ یاد رہے کہ سنسکرت، لاطینی اور جرمن زبان میں
اغلاط کی مذکورہ بالا صورت نہیں ہے۔ اِن زبانوں
میں اگر رُوٹ کی غلطی کہیں ہے تو وہ شاذ ہے مگر
ہے ضرور۔ اور اِن سب کا علاج عربی کے ہاتھ میں
ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین ۔

ہست قرآں در رہِ دیں رہنما

فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تو کجائی گر بجوئی آں خدا
آں کہ بنماید ترا ارض و سما
ہم بقرآں بیں جمالِ آں قدیر
قول و فعلِ حق زلالِ یک غدیر
مُردم اندر حسرتِ ایں مدعا
چوں نمی خواہند خلق ایں چشمہ را
ہست قرآں در رہِ دیں رہنما
در ہمہ حاجاتِ دیں حاجت روا
آں گروہِ حق کہ از خود فانی اند
آب نوش از چشمۂ فرقانی اند
فارغ افتادہ ز نام و عز و جاہ
دل ز کف و از فرق افتادہ کلاہ
دُور تر از خود بیار آمیختہ
آبرو از بہرِ رُوئے ریختہ
از بروں چوں اجنبی دل پُر ز یار
کس ندانداز شاں جز کردگار
دیدنِ شاں مے دہد یاد از خدا
صدق ورزاں در جنابِ کبریا
آں ہمہ را بُود فرقاں رہبرے
ہر یکے زاں در شدہ ہمچوں دُرّے*

ز آں ہمہ زاں دلبرے جاں یافتند
جاں چو با شد روئے جاناں یافتند
چشمِ شاں شد پاک از شرک و فساد
شد دلِ شاں منزلِ ربّ العباد
سیّدِ شاں آنکہ نامش مصطفیٰ است
رہبرِ ہر زمرۂ صدق و صفا است
مے درخشد رُوئے حق در رُوئے او
بُوئے حق آید ز بام و کُوئے او
ہر کمالِ رہبری بر وے تمام
پاک روئے پاک رویاں را امام
اے خدا اے چارۂ آزارِ ما
کن شفاعت ہائے او در کارِ ما

قرآن کریم میں اقوامِ عالم کے امراض کا علاج موجود ہے

از جناب خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی

متمدن اور غیر متمدن سب قومیں اپنے قومی تفاخر اور باہمی بغض و عناد کے باعث ایک دوسری قوم سے چپقلش رکھتیں اور آپس میں جنگ و جدل میں مبتلا تھیں اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ خداوند قدوس کی طرف سے نسلِ آدم کے لئے ایسا دستور العمل نازل کیا جائے کہ جس پر عمل کرنے سے آئے دن کے جھگڑوں اور فسادوں کا خاتمہ ہو جائے۔

سو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آج سے چودہ صدیاں قبل شہزادۂ امن و امان سیدنا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر قرآن کریم کی صورت میں وہ ضابطۂ حیات دُنیا کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا۔ جس میں تمام بنی نوع انسان کی تمدنی، معاشرتی اور رُوحانی زندگی سے متعلق پُر حکمت اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق تفصیلی امور بیان فرمائے۔

اہلِ دنیا آج امن کے قیام کے لئے مادی اسباب اور اسلحہ کو بروئے کار لا رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اقوامِ عالم قرآن مجید کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں تو وہ وقت دُور نہیں جب فتنہ و فساد کی بجائے امن و امان کا پرچم دُنیا میں لہراتا دکھائی دے اور ابنائے آدم باہمی اُلفت و محبت سے زندگی بسر کرتے نظر آئیں۔

قرآن کریم اور دیگر صُحفِ آسمانی

بے شک قرآن کریم سے قبل نازل شدہ الہامی صحیفوں میں انسانوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے بہت سی مفید باتیں موجود تھیں لیکن ان کا دائرۂ عمل محدود تھا اور کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو تمام اقوامِ عالم کے لئے اپنے اندر عالمگیر پیغام رکھتی ہو۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر قومیں تورات و انجیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے الہامی صحیفوں کو مانتی تھیں لیکن ان کا یہ دعویٰ تھا کہ محض ہماری ہی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرسلین کو بھیجا ہے اور ہمارے لئے صحیفوں کا نزول کیا ہے۔ ہم سے باہر خدا تعالیٰ کسی دوسری قوم کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا ہم ہی ہیں جو اس کے نزدیک مقرب و محبوب ہیں۔

اسی دعویٰ کی بناء پر لوگ ایک دوسری قوم کے انبیاء اور الہامی کتابوں کا انکار کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ قرآن پاک کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قد جاءکم من اللّٰہ نورٌ وکتابٌ مبینٌ ۝ یھدی بہ اللّٰہ من اتبع رضوانہ سُبل السّلام ویخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ ویھدیھم الیٰ صراطٍ مستقیم۔ یعنی اے لوگو! خداوندِ عالم کی طرف سے تمہارے پاس نور اور روشن کتاب (قرآن کریم) آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اُس انسان کو جو اس کی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے تاریکی و ظلمت سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور سیدھے راستہ کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح خداوند تبارک و تعالیٰ حضرت رسول مقبول

سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے
ونزلنا علیك الکتٰب تبیاناً لکل شیءٍ وھدیً ورحمۃً وبشریٰ للمسلمین ۝ یعنی اے رسول! ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جس میں ہر ایک امر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ کتاب اسلام لانے والے لوگوں کیلئے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے۔

قرآن کریم کی بدولت دُنیا میں انقلابِ عظیم

قرآن کریم کے نزول کے بعد جوں جوں اسلام کی مشعلیں دُنیا کے اطراف و اکناف میں روشن ہونے لگیں توں توں تاریکی اور کفر کے بادل دنیا سے محو ہونے لگے، اور آخر وہ وقت بھی آگیا جبکہ قرآن پاک کی برکت سے قومیں ایک دوسری کے نزدیک ہونے لگیں اور عدل و انصاف اور تہذیب و شرافت کا چرچا ہونے لگا اور بجائے وحشت و بربریت کے دور کے صلح و آشتی کا دَور شروع ہوگیا۔ مختلف العقائد و خیالات والے انسانوں نے ایک پلیٹ فارم پر آکر تمام الہامی کتابوں کی عظمت و شان کا اظہار کیا اور یک زبان ہو کر یہ نعرہ بلند کیا کہ خدا تعالیٰ کے سب انبیاء و رسل پاک و مقدس تھے ان کی ہتک و تحقیر کرنا انسانیت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے۔
گویا کہ ایسا عظیم الشان روحانی انقلاب پیدا ہوا کہ

سہ

افسردگی جو سینوں میں تھی دُور ہوگئی
ظلمت جو تھی دلوں پہ وہ سب نور ہوگئی
جو دورِ تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیمِ عنایاتِ یار سے
جاڑے کی رُت ظہور سے اسکے پلٹ گئی
عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اٹ گئی
جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے
پھل اس قدر لگا کہ وہ میووں سے لد گئے

موجوں سے اس کی پردے وساوس کے پھٹ گئے
جو کفر اور فسق کے ٹیلے تھے کٹ گئے
قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اسکے معرفت کا چمن ناتمام ہے
(درثمین)

عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی قرآن پاک سے بے توجہی

ایک وہ مقدس اور مبارک زمانہ تھا کہ گھر گھر قرآن کریم کی عظمت و توقیر کے نغمے گائے جاتے تھے اور اس کی بدولت مسلمانوں نے دینی و دُنیوی عظیم الشان انعامات حاصل کئے تھے لیکن آہ! آج یہ رُوح فرسا دَور ہے کہ غیر قومیں تو ایک طرف ہیں خود مسلمان کہلانے والے قرآن مجید سے غافل و لاپرواہ ہوگئے اور انہوں نے اپنے عمل سے قرآن کریم کی مقدس تعلیم اور اس کے پاکیزہ اصول و قوانین کو مسخ کردینے کی ناکام سعی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چشمۂ روحانیت کی برکات و فیوض سے اور بھی دُور ہوگئے اور ان کی مملکتیں مٹ گئیں اور ظاہری شان و عظمت عنقا ہوگئی۔ چنانچہ جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اپنے ایک مضمون "زندہ مذہب" میں رقمطراز ہیں کہ:-

"حضرات! جو ستم ظریفیاں ہمارے بھائی مسلمان اللہ کی کتاب پاک کے ساتھ کرتے ہیں وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اس کی ہنسی اڑائیں بلکہ اس کو پاگل قرار دیں.....
..... دنیا کا سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جان قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ بے شک وہ ایمان رکھتے ہیں اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں مگر افسوس ہے کہ

وہی اس سے سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں اور
اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر
ہے۔" (رسالہ "مولوی" دہلی جلد ۲۸ نمبر ۹ ص۳)

مولانا مودودی صاحب کے عقائد قرآنی تعلیم کے صریح منافی ہیں

مولانا مودودی صاحب جو دیگر مسلمانوں کی قرآن کریم سے بے توجہی کا رونا رو رہے ہیں خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان کے بعض عقائد قرآن پاک کی تعلیم کے صریح منافی ہیں۔ مثلاً ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو (سچا سمجھ کر) قبول کر لے اس کی سزا قتل ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کے واضح ارشاد لا اکراہ فی الدین کے سراسر مخالف ہے۔ مودودی صاحب اپنے عقیدہ قتل مرتد کا پراپیگنڈا زور شور سے بذریعہ لٹریچر کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اگر وہ ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان جیسے ہی عقائد باطلہ سے تو غیر قومیں اسلام کے چشمۂ شیریں سے متنفر ہوئیں اور آریہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کو موقع مل گیا کہ وہ ہزاروں خطرناک کتب شائع کر کے دین اسلام سے لوگوں کو بدظن کریں۔ چنانچہ ایک پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

> "جو مسلمان مذہب اسلام سے مرتد ہو کر کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے اس کے سارے اعمال اس دنیا میں اور عاقبت میں برباد ہو جاتے ہیں۔ وہ محروم الارث اور واجب القتل ٹھہرتا ہے۔ ـــــ پچھلے دنوں امیر افغانستان نے ایک احمدی کو قتل کر کے اس بھولی ہوئی شریعت کی یاد تازہ کرادی۔"
> (عالمگیر مذہب ص۱۲ شائع کردہ پادری نجم الدین صاحب مطبوعہ ۱۹۲۷ء)

پس آج جہاں اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلمان خود اسلامی تعلیم و آئین کے مطابق اپنے عقائد و اعمال کو ڈھالیں وہاں اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ غیر مسلم اقوام کو قرآن کریم کی روشن تعلیم اور مقدس اصولوں سے آشنا کیا جائے تا وہ بھی قرآنی برکات سے متمتع ہو کر جادۂ مستقیم کی طرف کھنچے چلے آئیں اور انہیں اس بات کا بخوبی علم ہو جائے کہ مودودی صاحب جیسے خیالات فاسدہ رکھنے والے لوگوں کے عقائد قرآن کریم کے بیان فرمودہ پاکیزہ اصول و قوانین اور مقدس تعلیم کے صریح مخالف ہیں۔ قرآن پاک نے تو غیر مسلم اقوام کے ساتھ جس قسم کی رواداری اور حسن سلوک کی مقدس تعلیم دی ہے وہ ایسی دلکش، روح پرور اور پرحکمت تعلیم ہے کہ اگر اقوام عالم اسے اپنالیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے اور روز روز کی لڑائی ختم ہو جائے۔

ذیل میں ہم قرآن کریم کی روشنی میں چند ایسے امور بیان کرتے ہیں کہ جن سے غیر مسلموں کی بہت حد تک غلط فہمیاں دور ہو کر انہیں قرآن و اسلام کے قریب تر لانے کا باعث ہیں۔

قوموں کی بعض امراض اور ان کا علاج قرآن کریم میں

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے دنیا کی قومیں ایک دوسرے کے مذہبی ریفارمروں کو ادب و احترام کی نظر سے نہ دیکھتی تھیں بلکہ انہیں نعوذ باللہ جھوٹا قرار دیتی تھیں لیکن قرآن کریم نے اعلان فرمایا کہ:۔

۱۔ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا
ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت۔

۲۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما
انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق
ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ
وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم
لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ

مسلمون ۔ (سورۃ البقرہ ع ۱۶)

۳۔ وان من اُمّۃ اِلّا خلا فیھا نذیر (فاطر ع)

۴۔ ولکلّ قوم ھاد (رعد ع)

ترجمہ ۱:- "یعنی ہم نے ہر قوم میں اپنے فرستادہ رسول مبعوث کئے جنہوں نے (قوموں کو) یہ تلقین کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شیطانی خیالات سے برطرف رہیں ۔"

۲:- "کہو ہم خدا تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو نازل کیا گیا حضرت ابراہیمؑ ۔ حضرت اسماعیلؑ ۔ حضرت اسحاقؑ ۔ حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اور جو کچھ دیا گیا حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو ۔ اور جو کچھ دیا گیا دیگر انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے اس سب پر ہم ایمان لاتے ہیں ۔ اور ہم نبیوں کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں ۔"

۳:- "اور نہیں ہے کوئی اُمت مگر ہم نے اس میں ڈرانے والا بھیجا ہے ۔"

۴:- "اور ہر قوم میں ہم نے ہادی بھیجے ہیں ۔"

ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کی طرح دنیا کی باقی سب قومیں بھی دوسری قوموں کے نبیوں اور رسولوں اور ان کی مسلمہ الہامی کتابوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے برحق قرار دیں اور انہیں بجائے حقارت کے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھیں تو وہ بُعد جو مذہبی تعصب کی بنا پر قوموں میں نظر آ رہا ہے یقیناً دُور ہو جائے اور لوگ باہمی صلح و آشتی سے زندگی بسر کرنے لگ پڑیں ۔

دوسرا مرض جو قوموں میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی انسان اپنے سابقہ عقیدہ یا مذہب کو چھوڑ کر کوئی نیا راہِ عمل اختیار کر لیتا ہے تو پہلے مذہب کو قبول کئے ہوئے لوگ اس انسان کو ذلت و حقارت سے دیکھنے لگ پڑتے ہیں اور اگر بس چلتا ہو تو اُسے قتل کرنے تک سے دریغ نہیں کرتے ۔ حالانکہ مذہب کا معاملہ ایک نہایت ہی نازک معاملہ ہے اور ہر شخص کو یہ حق ہے کہ جس عقیدہ یا مذہب کو بعد از تحقیق وہ سچا سمجھتا ہے آزادی کے ساتھ اُسے قبول کرلے خواہ مخواہ کسی انسان کو جبر و اکراہ سے اپنا عقیدہ منوانا نہ صرف انسانیت بلکہ سچے مذہب کی رُوح کے بھی مخالف ہے ۔

آسمانی مذہب کا تو یہ اصول ہونا چاہیئے کہ وہ ہر انسان کو یہ کلی آزادی دے کہ از روئے دلیل و برہان جس عقیدہ کو وہ سچا پاتا ہے بلا خوف و خطر وہ اسے تسلیم کرلے نہ یہ کہ آزادیٔ ضمیر ہی کو کچل کر رکھ دیا جائے ۔

اِس بارے میں قرآن کریم نے جو پُر حکمت تعلیم دی ہے وہ یہ ہے :-

۱۔ لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغیّ (سورۃ البقرہ ع ۳۴)

۲۔ ولو شاء ربّک لاٰمن من فی الارض کلّھم جمیعاً ط افانت تکرہ الناس حتّٰی یکونوا مؤمنین (یونس ع ۱۰)

۳۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف ع)

ترجمہ ۱:- "یعنی دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی میں بیّن فرق ہو چکا ہے ۔"

۲:- "اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جس قدر لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے ۔ کیا تُو لوگوں پر جبر کرے گا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں ۔"

۳:- "پس جو کوئی پسند کرے ایمان لے آوے اور جس کا دل چاہے انکار کر دے ۔"

قرآن کریم کے مندرجہ بالا فرامین کو اگر مسلمان اور دیگر قومیں عملی جامہ پہنالیں تو آج بھی شر و فساد کی آگ مدھم ہو کر دُنیا میں امن و امان کا پرچم لہرا سکتا ہے لیکن اس کے لئے حوصلہ، بیداری اور آزادیٔ ضمیر کی ضرورت ہے ۔

تیسرا مرض جس کے باعث قوموں کے درمیان سے الفت و محبت کی روح پرواز کر جاتی اور آپس میں جنگ و جدل

تک نوبت پہنچتی ہے یہ ہے کہ قومی تفاخر اور کبر و نخوت کی وجہ سے اونچ نیچ کا سوال پیدا کر کے ایک دوسرے سے ٹھٹھا اور استہزاء کیا جاتا ہے اور ذی ثروت اور صاحب اقبال لوگ غریب لوگوں کو دائرۂ انسانیت سے خارج سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اور یہ ایسا مہلک مرض ہے کہ جس میں قریباً سب ممالک کے لوگ اس زمانہ میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا نظر آ رہا ہے۔ ایسے ہی امور کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں مسلمانوں کو یہ پُرحکمت تعلیم دیتا ہے کہ :-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ
مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ
وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ
خَيْرًا مِنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ
وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ج وَمَنْ لَمْ
يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

(سورۂ حجرات ع ۲)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم کسی دوسری قوم سے۔ شاید کہ وہ بہتر ہو اس سے۔ اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں سے شاید کہ وہ اچھی ہوں ان سے۔ اور نہ کسی پر تہمت لگاؤ۔ پھر آپس میں بُرے لقبوں سے مت پکارو کیونکہ ایمان لانے کے بعد یہ امور حد درجہ بُرے ہیں (ایسے لوگوں میں سے) جو کوئی توبہ نہ کرے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا۔"

دُنیا کی قومیں اگر آج بھی قرآن کریم کی مندرجہ بالا ہدایت کو مان کر اپنے رویہ میں خاطر خواہ تبدیلی پیدا کر لیں تو بہت حد تک اختلافات کی خلیج دُور ہو سکتی ہے۔

چوتھا مرض جو قوموں کو لاحق ہے وہ یہ ہے۔ کہ غریب الحال انسانوں کو ترقی دینے کے بجائے سرمایہ دار لوگ انہیں اور بھی قعر مذلت میں گرانے پر اپنا زور و طاقت صرف کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر ربّ العالمین کی نظر میں مفلس اور غریب قومیں تنگدستی میں مبتلا کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیے جانے کے لائق تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی کیوں کیا تھا۔ اس صورت میں تو ایسے لوگوں کی تخلیق (نعوذ باللہ) اس کی حکمت کے منافی تھی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے عزیز و حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس نے جہاں غریب انسانوں کو پیدا فرمایا وہاں ان کی روزی کے بھی سامان مہیا فرمائے اور خشیۃ اللہ رکھنے والے دولتمند انسانوں کو اس نے حکم دیا کہ تمہارے اموال میں غرباء کا بھی حصہ ہے اسلئے تم ان کا بھی خیال رکھو اور بوقتِ ضرورت ان کی مدد کرو۔ اس امر کو ملحوظ رکھ کر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ نظامِ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ سے تعلق رکھنے والے دیگر دینی امور کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے :-

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ
مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝

(سورہ الدہر ع ۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں پر خوش ہے جو اس کی محبت کی بناء پر محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

قرآن کریم کے اس فرمان کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمان محتاجوں اور یتیموں وغیرہ کا خیال رکھا جائے اور ان کی ہی مدد کی جائے بلکہ اس میں تمام قوموں کے محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کی مدد کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے چنانچہ تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوی اور مابعد کے زمانہ میں جو اسلامی غزوات ہوئے ان میں بصورت

قیدی جو بھی غیر مسلم مسلمانوں کے ہاں پکڑے آتے تھے مسلمان انہیں وہی کچھ کھلاتے پلاتے اور پہناتے تھے جو وہ خود کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اور کسی قسم کے حسن سلوک سے غیر مسلموں کو محروم نہ رکھا جاتا تھا مسلمانوں کے ایسے ہی اوصاف دیکھ کر رُبما یودّ الذین کفروا لو کانوا مسلمین (پ۱۴ ع۱) کے مطابق غیر مسلم لوگ مسلمانوں کی خوبیوں کا اعتراف کرتے تھے۔

پس اگر سرمایہ دار قومیں آج بھی مفلس اور خستہ الحال لوگوں کی مالی تنگی اور خستہ حالی کا احساس کرکے جائز حد تک ان کی امداد کریں تو تھوڑے ہی عرصہ میں کمیونزم کا فتنۂ عظیم اپنی موت خود مر جائے اور بے چارے غریب اور مفلس لوگ خوشگوار ماحول میں زندگی کا سانس لے کر بارگاہِ ربّ العزت میں ایسے امراء کے لئے جو راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں دست بدعا ہوں کہ اے ہمارے خدا! تو ایسے لوگوں کے مال و دولت میں اور بھی برکت ڈال تاکہ وہ اور بھی نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکیں۔

پانچواں مرض جس میں بہت سی قومیں مبتلا ہیں باہمی معاہدات کا توڑنا ہے حقیقت میں دیکھا جائے تو دنیا میں عالمگیر جنگوں کا آغاز اسی امر سے ہوتا ہے کہ صاحب اقتدار قومیں عہد و پیمان کی پابندی نہیں کرتیں اور اپنے طے شدہ فیصلوں پر وقت آنے پر تنسیخ کا خط کھینچ دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں بغض و فساد بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر جنگوں کی صورت میں خطرناک اور تباہ کن شعلے نمودار ہوتے اور اپنی لپیٹ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کو لے لیتے ہیں۔ لیکن اگر مادہ پرست قومیں قرآن کریم کی اس پاک تعلیم کو مدنظر رکھیں کہ "اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم کسی سے معاہدہ کرلو تو پھر اس کی پوری طرح پابندی کرو۔"

اگر اس حکم قرآنی کو دنیا کی قومیں عملی صورت میں اختیار کرلیں اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان ہوں انہیں کسی وقت بھی نہ توڑیں تو اس صورت میں قوموں اور حکومتوں کے درمیان آئے دن کے جھگڑے اور فسادات ختم ہو جائیں اور لوگ صلح و آشتی سے اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہ کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلیں۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

قرارداد تعزیت

صدر انجمن احمدیہ قادیان بزرگان سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحب حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب کی وفات پر دلی رنج و اندوہ کا اظہار کرتی ہے۔ حضرت حکیم صاحب نے اپنی عمر عزیز کے بہترین بیس سال اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے مغربی افریقہ میں گذارے اور حضرت ماسٹر صاحب جو ایک نیک بزرگ صحابی تھے وہاں آپکے چار بیٹے یعنی (۱) امام لنڈن مسجد (۲) پروفیسر احمدیہ کالج مغربی افریقہ (۳) نائب ایڈیٹر اخبار الفضل و الفرقان اور (۴) نائب امیر جماعت راولپنڈی خدمات سلسلہ بجا لا رہے ہیں۔ حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب کی ساری زندگی مخلصانہ طور پر خدمات سلسلہ میں گذری ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان قومی صدمات کی تلافی کرکے ان کے بہترین جانشین پیدا کرے اور ان کے اعزہ و اقارب کا ہر طرح حافظ و ناصر ہو اور ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس ریزولیوشن کی نقول مرحومین کے اقارب کے علاوہ الفضل۔ بدر۔ الفرقان۔ خالد۔ مصباح کو بھجوائی جائیں۔

(ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان)

وفات پانے والے چار بزرگ

رسالہ الفرقان کی اشاعت اگست ۱۹۵۸ء کے بعد چار بزرگ ہستیوں کا انتقال جماعت احمدیہ کے لئے جماعتی صدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) **حضرت اماں جی** صاحبہ رضی اللہ عنہا حرم محترم حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی وفات نہایت ہی افسوسناک سانحہ ہے۔ آپ کا وجود جماعت کے طبقہ مستورات کے لئے خاص طور پر نہایت بابرکت تھا۔ ان کے انتقال سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا پُر ہونا نہایت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی ساری اولاد کو مخلص خادم دین بنائے۔ آمین!

(۲) حضرت مولوی **عبدالمغنی خان** صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ یہ سلسلہ کے پرانے اور نہایت مخلص خادم تھے۔ انہوں نے ساری عمر خدمت دین میں بسر کی اور نہایت ہی قابلِ رشک علماء نہ اور زاہدانہ زندگی گزاری۔ حضرت مولوی صاحب ایک برگزیدہ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے رؤیا و الہام سے مشرف تھے۔ طبیعت میں انتہا درجے کی تواضع اور فروتنی تھی۔ ریاکاری سے طبعی نفرت رکھتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرنیوالے تھے۔ ان میں اسلام اور جماعت کی خدمت اور بہبودی کا ایسا جوش اور ولولہ تھا کہ ہر شخص ان کی باتوں سے متاثر ہوتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے تمام دردمند دل شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے۔ آمین!

(۳) حضرت حکیم **فضل الرحمٰن** صاحب مبلغ مغربی افریقہ لمبی بیماری کے بعد انتقال فرما گئے۔ آپ مرکز میں لنگر خانہ کے افسر تھے اور تمام مہمانوں کی خدمت کی اہم ذمہ داری آپ کے سپرد تھی۔ حضرت حکیم صاحب ہمارے نہایت بے تکلف دوست تھے اور بڑے ہشاش بشاش رہنے والے بزرگ تھے۔ سالہا سال تک اپنے اہل و عیال سے علیحدہ براعظم افریقہ میں خدمتِ دین بجا لاتے رہے اور سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی جوانی میں خاص خدمت کا کام لیا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً و رفع درجاتہ فی الجنۃ۔

(۴) حضرت ماسٹر **محمد حسن صاحب آسان** دہلوی۔ آپ سالہا سال تک دہلی کی جماعت میں خدماتِ دینیہ بجا لاتے رہے۔ آریوں اور عیسائیوں سے صدہا مناظرات کئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے طبیعت بہت شگفتہ عطا کی تھی اور بات میں سے بات نکالنے کا خوب ملکہ تھا۔ اس سے مناظرہ میں سامعین کو بھی خوب لطف آتا تھا۔ میرے تبلیغی میدان میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مجھے آسان صاحب سے تعارف حاصل ہو گیا تھا۔ بہت زندہ دل اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ دلّی والوں میں سے اہلِ پنجاب پر تبصرہ کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ دین کا اتنا شوق تھا کہ چار بیٹے خدمت دین کے لئے وقف کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چاروں اہم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین!

ان چاروں بزرگوں کا اس قدر قریب عرصہ میں رحلت فرمانا جماعت کے لئے بہت بڑے صدمہ کا موجب ہے جس سے نئے لوگوں اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرماتے ہوئے ان پر اپنی مغفرت اور رحمت کے دروازے کھولے اور جنت الفردوس میں انہیں بلند مقامات عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کا حامی و ناصر ہو، اور سلسلہ کو بڑھ چڑھ کر خلوص اور للّٰہیت سے کام کرنے والے وجود عطا فرماتا رہے۔ اللّٰھم آمین یا ربّ العالمین۔

(ایڈیٹر)

بہائیت کی تردید میں مفید لٹریچر

(۱) بہائیت کے متعلق پانچ مقالے۔ یہ کتاب ان پانچ لیکچروں پر مشتمل ہے جو گزشتہ دنوں مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین سابق مبلغ فلسطین نے کوئٹہ میں دیئے تھے۔ ان میں بہائیت کی تاریخ، بہاء اللہ کا دعوئ الوہیت، بہائیوں کے عقائد اور احمدیہ تحریک، بہائی شریعت کا قرآنی شریعت سے موازنہ مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک شائع ہو کر آپ تک پہنچ جائیگی۔ عمدہ کتابت و طباعت، سفید کاغذ اور ٹائیٹل آرٹ پیپر پر چھپ رہی ہے جلد طلب فرمائیں۔

(۲) بہائیوں کی اصل شریعت اور اس پر تبصرہ۔ یہ کتاب بہائیوں کی خفیہ شریعت "الاقدس" پر مشتمل ہے۔ اس کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور اس پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی جدید پیرایہ میں طبع ہو رہی ہے۔ بہائی لوگ اپنی شریعت کو مخفی رکھتے ہیں۔ آج تک انہیں جرأت نہیں ہوئی کہ اسے شائع کر کے پبلک کے سامنے رکھیں۔ ہم نے یہ شریعت حاصل کر کے چیلنج کے ساتھ شائع کی ہے۔ یہ کتاب اب دوبارہ چھپ رہی ہے۔ یہ بھی بہت جلد شائع ہو جائے گی۔

(۳) بہاء اللہ کے دعوئ الوہیت کے متعلق ایک تازہ ٹریکٹ آٹھ صفحات پر مشتمل شائع کیا گیا ہے۔ یہ ٹریکٹ کثرت سے بہائیوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ ڈیڑھ روپیہ میں چالیس ٹریکٹ بھیجے جائیں گے۔ محصول ڈاک کے لئے اڑھائی آنے علیحدہ آنے چاہئیں۔

مینیجر مکتبۃ الفرقان۔ ربوہ

آپ کے اپنے مکتبہ کی کتابیں

احباب کرام! آپ ہمارے مکتبہ الفرقان سے جملہ قسم کی مذہبی کتب طلب فرما سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل مفید کتابیں اور ٹریکٹ آپ کی مذہبی معلومات میں خاص اضافہ کرنیکا موجب ہونگی اور آپ اسلام اور احمدیت کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر سکیں گے۔

(۱) تفسیر کبیر از حضرت امام جماعت احمدیہ جس میں قرآنی حقائق و معارف کا ایک دریا موجزن ہے۔ سورۂ یونس سے کہف تک کی تفسیر کا صرف ایک نسخہ ہمارے پاس آیا ہے قیمت پچاس روپے۔

(۲) تفسیر سورہ مریم۔ یہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے اس درس القرآن کے نوٹ ہیں جو آپ نے ۱۹۵۳ء میں مسجد مبارک ربوہ میں دیا قیمت چودہ آنے۔

(۳) کلمۃ البقاین فی تفسیر خاتم النبیین۔ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع مگر نہایت مختصر مضمون ہے۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ ہزارہا کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ ایک نسخہ کے لئے دو آنے کا ٹکٹ بھجوائیں تقسیم کرنے کے لئے فی سینکڑہ ۸ روپے مقرر ہے۔

(۴) نیا انکشاف۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی زندگی کے متعلق برٹش انسائیکلوپیڈیا میں شائع شدہ تصاویر سے ایک نیا انکشاف پیش کیا گیا ہے یہ مضمون انگریزی، عربی اور اردو میں اکٹھا ایک ہی ٹریکٹ میں شائع کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ کیلئے دو آنے کے ٹکٹ اور فی سینکڑہ ۸ روپے مقرر ہے +

نوٹ۔ مکتبہ الفرقان سے لٹریچر خرید کر آپ علمی اضافہ کے علاوہ اشاعت کے ثواب میں بھی حصہ لیں گے!

مینیجر مکتبۃ الفرقان۔ ربوہ ضلع جھنگ